رجسٹرڈ نمبر ۱۸۱ اے　　　　اکتوبر سنہ ۱۹۵۰ء

معارف

مجلس دار المصنّفین کا ماہوار علمی رسالہ

مرتبہ

سید سلیمان ندوی

و

شاہ معین الدین احمد ندوی

قیمت :- چھ روپیے سالانہ

دفتر　دار المصنفین　اعظم گڈھ

سلسلۂ تاریخ اسلام

دار المصنفین کے سلسلۂ تاریخ اسلام کو بڑا حسن قبول حاصل ہوا، علمی و تعلیمی اداروں نے خصوصیت کیسا اس کی قدر دانی کی بعض یونیورسٹیوں نے اس کو اسلامی تاریخ کے نصاب میں داخل کر لیا، اس لئے چند برسوں کے اندر تقریباً اس کے سب حصے ختم ہو گئے جن کے دوسرے اڈیشن مزید اصلاح و ترمیم، اور اضافوں کے ساتھ چھپ کر تیار ہو گئے ہیں، اور بعض زیر طباعت ہیں، اب یہ سلسلہ پہلے سے زیادہ جامع اور مکمل ہو گیا ہے،

تاریخ اسلام حصہ اوّل

(عہد رسالت و خلافت راشدہ)

یعنی آغاز اسلام سے لے کر خلافت راشدہ کے اختتام تک اسلام کی مذہبی سیاسی تمدنی اور علمی تاریخ، ضخامت ۲۵۵ صفحہ قیمت: ے

تاریخ اسلام حصہ دوم

(بنو امیہ)

یعنی اموی سلطنت کی صد سالہ سیاسی، تمدنی اور علمی تاریخ کی تفصیل،

ضخامت :- ۲۶۳ صفحے

قیمت :- ے

"منیجر"

تاریخ اسلام حصہ سوم

(بنی عباس اوّل)

یعنی ابو العباس سفاح ۱۳۲ھ سے ابو اسحاق متقی باللہ ۳۳۳ھ تک دو صدیوں کی سیاسی تاریخ، قیمت ے

تاریخ اسلام جلد چہارم

(بنی عباس دوم)

یعنی مستکفی باللہ کے عہد سے آخری خلیفہ مستعصم باللہ تک خلافت عباسیہ کے زوال و خاتمہ کی سیاسی تاریخ

ضخامت :- ۲۲۴ صفحے

قیمت :- ے

"منیجر"

جلد ۶۶ ماہ ذی الحجہ ۱۳۶۹ھ مطابق ماہ اکتوبر ۱۹۵۰ء عدد ۴

مضامین

مقالات

تلخیص و تبصرہ

ادبیات

باب التقریظ والانتقاد

شذرات

کانگریس کی صدارت مین ٹنڈن جی کی کامیابی کو فرقہ پرستون نے اپنی فتح سمجھا اور بڑی خوشیان منائین کہ اب کانگریس پر بھی ان کا قبضہ ہوگیا، قوم پرستون کو تشویش پیدا ہوئی کہ دیکھین فرقہ وارانہ مسائل مین کانگریس کی پالیسی پر اس کا کیا اثر پڑتا ہی، لیکن ہندوستان کی فلاح کا صرف ایک راستہ ہی، سیکلر حکومت، تمام فرقون کے حقوق مین قانونی اور عملی یکسانیت، قومی اتحاد و یکجہتی، اور پاکستان و ہندوستان کے تعلقات مین خوشگواری، اسکے علاوہ جو راستہ بھی اختیار کیا جائیگا وہ ملک کو ہلاکت اور بربادی کیطرف لیجائیگا، اسلیے اگر ٹنڈن جی ملک کے سچے بہی خواہ مین تو انکو بھی اپنا نقطۂ نظر بدلنا پڑے گا۔

کانگریس کی صدارت کے بعد اگرچہ انکا لب و لہجہ بدل چلا ہی اور ادھر انھون نے جو تقریرین کی ہین ان مین وہ محض فرقہ پرست، مسلم آزار اور پرانے ہندو مہا سبھا کے نمایندے نہین معلوم ہوتے، بلکہ انکی زبان سے غیر مذہبی حکومت، مختلف فرقون کے حقوق مین مساوات، مسلمانون کے تحفظ اور ہندو مسلم اتحاد کے الفاظ بھی نکلنے لگے ہین، بلکہ بعض تقریرون مین تو اپنے محبوب مشن کلچر کے متعلق یہانتک کہا ہی کہ ہندوستانی کلچر ہندو مسلمانون نے مل کر بنایا ہی، اور انکا اور انکے وطن الہ آباد کے مسلمانون کا کلچر ایک ہی، اگر وہ بھی اسکو مانتے ہین تو پھر انکے اور مسلمانون کے نقطۂ نظر مین کوئی اختلاف نہین رہ جاتا، مسلمان بھی یہی کہتے ہین کہ ہندوستانی کلچر وہی ہے جو ہندو مسلمانون کے میل جول سے بنا ہے، اور جسمین دونون کے اثرات ہین، اور اسی کو ہندوستان کا مشترک کلچر ہونا چاہیے، لیکن ٹنڈن جی کی زبان سے ہندو کلچر کا نعرہ بھی نکل جاتا ہی، اس نعرہ کیساتھ ہندو مسلم اتحاد کی اپیل بے معنی ہی، اگر وہ حقیقۃً اتحاد چاہتے ہین تو یہ نعرہ چھوڑ دینا چاہیے، اتحاد کے معنی ہندو ن مین ضم ہوجانے کے نہین ہین، اس کے بغیر بھی اتحاد ہو سکتا ہی اور ہو کر رہے گا، ٹنڈن جی کو اطمینان رکھنا چاہیے کہ مسلمان ہندوستان ہی مین رہین گے، اور پورے اتحاد قومی کے ساتھ اپنا مستقل وجود بھی قائم رکھین گے۔

ٹنڈن جی کو ہندوستان کی سب سے بڑی قومی جماعت کی قیادت سپرد کی گئی ہے، انھین اپنے کو اسکا اہل ثابت کرنا چاہیے اور اس قسم کی غیر ذمہ دارانہ باتین چھوڑ دینی چاہئین، کانگریس تمام فرقون کی نمایندہ جماعت کہی جاتی ہے، اور مسلمان اب بھی ہندوستان کی سب سے بڑی اقلیت ہین، اسکے علاوہ صدارت کی کامیابی مین ٹنڈن جی کو مسلمانون کے ووٹون سے بھی مدد ملی ہے، اسلیے انکی نمایندگی بھی کرنا انکا قانونی اور اخلاقی فرض ہے، غلط نقطۂ نظر ہمیشہ نہین چل سکتا، یا اسکو صحیح کرنا ہوگا یا ملک کو تباہی کے حوالہ کرنا ہوگا، ٹنڈن جی کے محب وطن ہونے مین شبہہ نہین، اسلیے کیا عجب ہے کہ صدارت کی ذمہ داری انکے خیالات کی تصحیح کرے، حق و صداقت مین بڑی طاقت ہے، اگر ہمت و جرأت سے مقابلہ کیا جائے تو باطل اسکو مغلوب نہین کرسکتا اور بالآخر فتح حق ہی کی ہوگی، ناسک کانگریس کے فیصلے اس کے شاہد ہین، ٹنڈن جی کو بھی ان فیصلون کی پابندی کا عملی ثبوت دینا چاہیے،

گائے اور زبان کے بارہ مین بھی ان کے خیالات مین اصلاح کی ضرورت ہے، ہندی کے حکومت کی زبان ہونے کے معنی یہ نہین ہین کہ اردو کو مٹا دیا جائے، اسکے بعد بھی ملکی زبان کی حیثیت سے اسکو زندہ رہنے کا حق ہے، اسلیے اگر ٹنڈن جی اردو دشمنی چھوڑ دین تو انکا کیا حرج ہے، گائے کی اقتصادی اہمیت سے انکار نہین، ہندوستان ایک زرعی ملک ہے، یہان گائے کی نسل کو ترقی دینے کی ضرورت ہے، اسی بنا پر اسکو قدیم ہندوستان مین مذہبی تقدس کا درجہ دیا گیا تھا، لیکن اس اہمیت کو اسکی حد کے اندر رکھنا چاہیے، اسکو ملکی مفاد پر ترجیح نہ دینا چاہیے، ایک طرف ٹنڈن جی کی عقل پرستی کا یہ حال ہے کہ وہ اس ترقی کے دور مین الہامی اور مذہبی کتابون کی ہدایات ماننے کیلیے تیار نہین ہین، دوسری طرف انکی قدامت پرستی یہ ہے کہ گائے کے تقدس کو ٹھیس لگانا گوارا نہین اور اسکے لیے وہ ربڑ اور کریپ کے جوتے اور نواڑ کے بستر بند استعمال کرنے اور کروڑون روپے کا اقتصادی نقصان برداشت کرنے کیلیے آمادہ ہین، اپنی ذات کیلیے وہ اس سے بھی زیادہ سادگی اختیار کرسکتے ہین، اور ربڑ کے جوتے کے بجائے لکڑی کی کھڑاوین، رسّی کے بستر بند اور کھاروے کے تھیلے استعمال کرین، لیکن ملکی بلکہ فوجی ضروریات کو تو وہ گائے کے لیے قربان نہین کرسکتے، کیا فوجی سپاہیون کو بھی وہ ربڑ اور کینوس کے جوتے پہنا کر، انکی کمر مین نواڑ کی پیٹیان باندھ کر میدان جنگ مین بھیجین گے، ان کے اسلحہ سوت کی ڈوری سے کسے اور کینوس کے تھیلون مین رکھے جائین گے، ان کے گھوڑون کی لگامین، رسی کی یا چار جامے نمدے کے اور ساز نواڑ کا ہوگا، یہ فوج کیا ہوگی عجوبۂ روزگار ہوگی،

اس کے علاوہ چمڑا تو ضروریات زندگی مین ہے، اور اس زمانہ مین تو اس کی اہمیت اور زیادہ بڑھ گئی ہے، ہزارون لاکھون بوڑھے بیل اور ناکارہ گائین کہان جائین گی، ان کے چارہ کا کیا انتظام ہوگا، مسلمان تو وہ خود ہی گاؤکشی چھوڑ چکے ہین اس لیے اب ٹنڈن جی کو ان کے بجائے ہندوون کو روکنا چاہیے، جو بوڑھی گائین قصایون کے ہاتھ خفیہ بیچ دیتے ہین،

صوبہ بمبئی اگرچہ اردو زبان کے مرکز یو، پی اور دہلی سے دور ہے، اور وہان کی صوبائی زبانین گجراتی اور مرہٹی ہین لیکن ہر زمانہ مین وہان اردو زبان و ادب کا چرچا اور شعر و شاعری کا مذاق رہا ہے اردو کے بہت سے اخبارات و رسالے نکلتے ہین، اردو کی خدمت کے لیے متعدد ادبی ادارے قائم ہین، ان مین مشہور انجمن اسلام کی خدمات خصوصیت کے ساتھ اہم ہین، اسی سلسلہ مین ڈاکٹر نذیر الرحمن صاحب مرحوم پرنسپل اسمٰعیل کالج بمبئی نے ۱۹۴۸ء مین اردو ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا تھا، اس کا مقصد گجرات کے قدیم اردو ادب کی تحقیقات، وہان کے کتب خانون مین اس کے قلمی نوادر کی تلاش اور ان کی فہرست کی ترتیب، اردو کے ریسرچ اسکالرون کی علمی اعانت ہے، یہ ادارہ وقتاً فوقتاً اردو کے فضلا سے مقالات بھی پڑھواتا رہتا ہے، اسکے لائق کارکنون نے گذشتہ جنوری سے ایک سہ ماہی رسالہ نوائے ادب کے نام سے جاری کیا ہے، اسکا مقصد تقریباً وہی ہے جو پرانی انجمن ترقی اردو کے رسالے کا تھا، اس وقت تک اس کے تین نمبر نکل چکے ہین، اور ہر نمبر اردو زبان و ادب سے متعلق مفید مضامین و معلومات پر مشتمل ہے، اسکے روح رواں ہمارے پرانے رفیق پروفیسر سید نجیب اشرف صاحب ندوی اور ڈاکٹر محمد ابراہیم صاحب ڈار ہین، امید ہے کہ ان دونون صاحب ذوق فضلاء کی نگرانی مین یہ رسالہ ترقی کریگا، اور رسالہ اردو کے پاکستان منتقل ہو جانے سے جو کمی ہو گئی ہے وہ پوری ہو جائے گی۔

مقالات

معجزۂ قرآنی کی نوعیت

از

مولانا عبد السلام ندوی

"کلام مجید لفظی اور معنوی دونوں حیثیتوں سے معجزہ ہے، اس کے لفظی اور ظاہری اعجاز پر گذشتہ مہینہ مولانا سید بدرالدین صاحب علوی کا مفید مضمون شائع ہو چکا ہے لیکن ارباب بصیرت کی نگاہ میں اس کا اصلی اعجاز معنوی ہے جس نے دلوں کی کایا پلٹ دی، اس لئے اس مہینہ اعجاز القرآن کے اس پہلو پر مولانا عبد السلام صاحب ندوی کا فاضلانہ مقالہ شائع کیا جاتا ہے تاکہ دونوں پہلو سامنے آجائیں،

"م"

اعجاز قرآنی کے ثابت کرنے سے پہلے یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اعجاز قرآنی کی نوعیت کیا ہے؟

معجزہ چونکہ دلیل نبوت ہے اور دلیل کی قسمیں اور ان کے آثار و نتائج مختلف ہوتے ہیں، اس لئے معجزہ کی بھی مختلف قسمیں ہیں،

(۱) بعض دلیلیں ایسی ہوتی ہیں جن سے صرف مدلول علیہ کا علم ہو جاتا ہے لیکن ان سے دل میں ترغیب و ترہیب یا دوسرے قسم کا اور کوئی جذبہ نہیں پیدا ہوتا،

مثلاً اگر ایک شخص سے یہ کہا جائے کہ فلاں مقام پر کچھ لوگ موجود ہیں جن سے اس کا کوئی تعلق نہیں

تو اس سے اس مقام پر اُن لوگون کے موجود ہونے کا علم تو اس کو ہو جائے گا، لیکن اس کے دل مین اُن لوگون کے بغض و محبت کا کوئی جذبہ پیدا نہ ہوگا، پیغمبرون کے عام مادی معجزے اسی قسم مین داخل ہین کہ اُن سے صرف اُن کی صداقت کا علم ہوتا ہے، اگرچہ اُن کی صداقت کے تسلیم کر لینے کے بعد اُن کے اوامر و نواہی اور وعد و وعید کو بھی تسلیم کرنا پڑتا ہے، لیکن یہ اُن کے معجزات کا بالذات نہین، بلکہ بالواسطہ اثر ہے، خود ان معجزات مین ترغیب و ترہیب کا کوئی عنصر شامل نہین،

۲- اس کے بخلاف بعض دلیلین ایسی ہوتی ہین، جو مدلول علیہ کے علم کے ساتھ ترغیب و ترہیب یا بغض و محبت کا جذبہ بھی پیدا کرتی ہین، مثلاً اگر اسی شخص سے یہ کہا جائے کہ فلان مقام پر تمھارے دوست واحباب، اعزۂ اقارب اور اہل وعیال موجود ہین تو اس کو اس مقام پر صرف اُن کی موجودگی ہی کا علم نہ ہوگا، بلکہ اس کے ساتھ اس کے دل مین اُن کی محبت کا جذبہ بھی پیدا ہوگا، اور وہ بے اختیار اُن سے ملنے کا مشتاق ہوگا،

اسی طرح اگر اس سے یہ کہا جائے کہ فلان مقام پر تمھارے دشمن یا ڈاکو موجود ہین، جو تم کو مار ڈالینگے یا تمھارا مال لوٹ لینگے، تو اس کو صرف دشمنون اور ڈاکوؤن کی موجودگی ہی کا علم نہ ہوگا، بلکہ اس کے دل مین خوف کا جذبہ بھی پیدا ہوگا، اور وہ وہان سے بھاگنے کی کوشش کرے گا،

قرآن مجید اسی قسم کا معجزہ ہے اور اس حیثیت سے اس کو تمام گذشتہ پیغمبرون کے معجزات پر فضیلت حاصل ہو کہ وہ صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت ہی پر دلالت نہین کرتا، بلکہ اس کے ساتھ یہ بھی بتاتا ہے کہ خدا نے پیغمبرون کے پیرؤن کے ساتھ کیا سلوک کیا؟ اُن کی کیونکر مدد کی؟ اُن کو دشمنون سے کیونکر بچایا؟ دنیا مین کیونکر اُن کا بول بالا کیا؟ اور آخرت مین اُن کو کس طرح سرفراز کیا؟ اس کے بخلاف جن لوگون نے پیغمبرون کی تکذیب کی، وہ کیونکر تباہ و برباد کئے گئے؟ دین و دنیا مین مستوجب لعنت ہوئے؟ اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوگا، کہ جن لوگون کے سامنے اس قسم

کا معجزہ پیش کیا جائے گا، اُن کے دل میں پیغمبر کی صداقت کے یقین کے ساتھ ترغیب ترہیب کا جذبہ بھی پیدا ہوگا، اور وہ اس کے اوامر ونواہی کی پابندی کی طرف خود بخود مائل ہوں گے،

علامہ ابن تیمیہ ان دونوں قسم کی دلیلوں کا فرق بیان کرنے کے بعد دوسری قسم کی دلیل کے متعلق لکھتے ہیں :-

فھذہ الطریق اکمل وابلغ	مقصد کے حاصل کرنے کا یہ کامل ترین اور
فی حصول المقصود فانھا	موثر ترین طریقہ ہے، کیونکہ وہ پیغمبروں
تفید العلم بصدق قصور ف	کی صداقت کے علم کے ساتھ اُن کی پیروی
الرغبۃ فی اتباعھم والرھبۃ	کی رغبت دلاتا ہے، اور ان کی مخالفت
من خلافھم،	سے ڈراتا ہے،

یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے بڑے مجمعوں مثلاً عیدین میں سورۂ قاف اور سورۂ اقتربت الساعۃ اور جمعہ میں سورۂ قاف پڑھتے تھے، کیونکہ ان سورتوں میں توحید اصول دین اور نبوت اور معاد کے اثبات کے ساتھ پیغمبروں کے پیرووں اور اُن کے مخالفین کا حال بھی بیان کیا گیا ہے،[1]

اس لئے قدرتی طور پر ان واقعات کا اثر پڑتا ہے، اور لوگوں کے دلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لانے کے ساتھ ترغیب ترہیب کا جذبہ بھی پیدا ہوتا ہے،

اس تفصیل سے معلوم ہوا ہوگا کہ دوسری قسم کی یہ دلیل جس کی بہترین مثال قرآن مجید ہے پہلی دلیل کی طرح بالکل سادہ نہیں ہوتی، بلکہ اس میں ترغیب و ترہیب کے عناصر بھی شامل ہوتے ہیں، اس لئے یہ دلیل جس قدر زیادہ موثر ہوگی اُسی قدر اُس کی معجزانہ حیثیت زیادہ نمایاں ہوگی، اور قرآن مجید اس حیثیت

---

[1] الجواب الصحیح لمن بدل دین المسیح جلد ۴ ص ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۶،

سے حدِ اعجاز تک پہونچ گیا ہے، چنانچہ خداوند تعالیٰ خود کہتا ہے،

وَلَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰی	اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل
جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا	کرتے، تو تو اس کو دیکھتا کہ خدا کے خوف
مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ (الحشر-۳)	سے دب جاتا اور پھٹ جاتا،

اگرچہ قساوتِ قلبی کی وجہ سے کفار نے اُس کے معجزانہ اثر کو قبول نہیں کیا، تاہم اُن کو یہ یقین تھا کہ یہ ایک موثر کلام ہے، اس لئے اُس کے اثر کے روکنے کے لئے بعض سفیہانہ تدبیریں اختیار کیں، مثلاً

وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا	اور یہ کافر لوگ کہتے ہیں کہ اس قرآن
لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَالْغَوْا فِیْهِ لَعَلَّکُمْ	کو سنو ہی مت، اور اس کے بیچ میں غل
تَغْلِبُوْنَ (حم السجدہ-۴)	مچا دیا کرو، شاید تم ہی غالب رہو،

امام رازی اس آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ کفار کو یہ معلوم تھا کہ قرآن مجید لفظاً و معنیً دونوں حیثیتوں سے کامل ہے، اور جو شخص اس کو سنے گا، وہ اُس کے الفاظ کی جزالت سے واقف ہو جائیگا، اور اس کی عقل اس کے معانی کا احاطہ کرے گی، اور وہ یہ فیصلہ کر دے گی کہ یہ کلام حق ہے اور اسکا قبول کرنا ضروری ہے، اس لئے انھوں نے لوگوں کو اُس کے سننے سے روکنے کے لئے یہ تدبیر نکالی کہ آپس میں یہ کہنے لگے کہ اس قرآن کو نہ سنو اور جب وہ پڑھا جائے تو شور و غل کرو، اشعار پڑھو اور دوسرے قسم کے خرافات بکو تاکہ قاری کی قرآت میں گڑ بڑی پیدا ہو جائے، قریش باہم ایک دوسرے کو یہی سکھاتے تھے، اور اس کا مقصد یہ تھا، کہ اس طریقہ سے لوگ قرآن کا مطلب نہ سمجھ سکیں۔

قرآن مجید کے اس معجزانہ اثر کے متعلق متعدد شہادتیں موجود ہیں، مثلاً کفار و مشرکین پر تو اس کا یہ اثر پڑتا تھا کہ وہ قرآن مجید کی آیتوں کو سُن کر اسلام کی طرف مائل ہوتے تھے، اور اُن کے دلوں میں اسلام کے قبول کرنے کا جذبہ پیدا ہوتا تھا، چنانچہ صحیح بخاری باب الہجرۃ میں ہے کہ

جب حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کفار مکہ کے مظالم سے تنگ آکر حبشہ کی طرف ہجرت کرنی چاہی،
اور مقام برک الغماد تک پہنچ گئے، تو راستے مین ابن الدغنہ جو عرب کے ایک بڑے قبیلہ کا سردار تھا مل
گیا، اور پوچھا کہ "کہان کا قصد ہے"، انھون نے کہا کہ مجھکو میری قوم نے گھر سے نکال دیا ہے، اب دنیا
مین گھوم پھر کر اپنے خدا کی عبادت کرون گا" لیکن ابن الدغنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اخلاقی
فضائل گن کر کہا کہ "تم جیسا شخص گھربار سے نکالا نہین جا سکتا، مین تمھارا ضامن ہوتا ہون، واپس چلو
اور اپنے شہر مین اپنے خدا کی عبادت کرو"

چنانچہ ابن الدغنہ نے سرداران قریش کو اس پر راضی کر لیا، اور انھون نے اس کی ضمانت کو اس
شرط پر منظور کر لیا، کہ وہ اپنے گھر ہی مین اپنے خدا کی عبادت کرین اور قرآن اور نماز پڑھین لیکن
اس کا اعلان نہ کرین کیونکہ ہم کو خوف ہے کہ ہماری عورتین اور ہمارے بچے اسلام کی طرف مائل ہو جائینگے
اس شرط پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے چند روز تک عمل کیا لیکن اس کے بعد اپنے گھر کے صحن مین انھون
نے ایک مسجد بنائی جس مین نماز پڑھتے تھے، اور قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے، جس کا یہ اثر ہوتا تھا
کہ مشرکین کی عورتین اور اُن کے بچے اُن کے اوپر ٹوٹے پڑتے تھے، اور ان کو پسندیدگی کی نگاہ سے
دیکھتے تھے، اس منظر کو دیکھ کر کفار گھبرا گئے، اور ابن الدغنہ کو بلا کر کہا کہ "ہم نے ابوبکر کو صرف اس شرط
پر پناہ دی تھی کہ وہ اپنے گھر مین خدا کی عبادت کرین لیکن انھون نے اس حد سے آگے قدم بڑھایا
ہے، اور اپنے گھر کے صحن مین ایک مسجد بنا لی ہے، اور کھلم کھلا اس مین نماز ادا کرتے ہین، اور قرآن
پڑھتے ہین، ہم کو خوف ہے کہ ہماری عورتین اور ہمارے بچے اسلام کی طرف نہ مائل ہو جائین، تم
اُن کو منع کر دو، اگر وہ صرف اپنے گھر مین عبادت کرنے پر اکتفا کرنا چاہین تو کر سکتے ہین لیکن
اگر وہ علانیہ عبادت کرنا چاہتے ہین تو تمھاری ضمانت کو منسوخ کر دین" ابن الدغنہ نے اُن کے
سامنے یہ مطالبہ پیش کیا، تو انھون نے اس کو نامنظور کر دیا، اور اس کی ضمانت منسوخ کر دی،

لیکن باوجود اس شور وغل اور روک تھام کے قرآن مجید کے اثر کا کلیۃً ازالہ نہ ہو سکا اور متعدد لوگ قرآن مجید کے اثر سے اسلام کی طرف مائل ہوئے، اور متعدد لوگوں نے اس کے اثر سے اسلام قبول کیا، مثلاً:

حضرت عثمان بن مظعونؓ کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت اتری،

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ	خدا عدل و احسان اور قرابتداروں کے
وَاِیْتَاءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ	ساتھ سلوک کرنے کا حکم دیتا ہے، اور
الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ یَعِظُکُمْ	بدکاری برائی اور ظلم سے روکتا ہے، وہ
لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ،	اس لئے یہ نصیحتیں کرتا ہے کہ شاید تم
(نحل ۱۳)	لوگ اس کو قبول کرلو،

تو اس کے سننے کے ساتھ ہی ایمان اُن کے دل میں گھر کر گیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُن کو محبوب[1] ہو گئے،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز میں سورۂ طور پڑھ رہے تھے، جب اس آیت تک پہنچے:

اَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَیْرِ شَیْءٍ اَمْ ھُمُ	کیا یہ لوگ خود بخود پیدا ہو گئے؟ یا یہ
الْخَالِقُوْنَ اَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ	لوگ خود پیدا کرنے والے ہیں؟ کیا
وَالْاَرْضَ بَلْ لَا یُوْقِنُوْنَ اَمْ	آسمان اور زمین کو انہی لوگوں نے
عِنْدَھُمْ خَزَائِنُ رَبِّکَ اَمْ	پیدا کیا ہے؟ سچ یہ ہے کہ اُن کے
ھُمُ الْمُصَیْطِرُوْنَ،	دل میں ایمان نہیں، کیا اُن کے پاس
(طور ۔ ۲)	خدا کے خزانے ہیں؟ کیا یہ لوگ سربراہ کار ہیں

[1] مسند ابن حنبل جلد ۱ ص ۳۱۸،

اور حضرت جبیر بن مطعمؓ نے اُس کو سُنا تو اُن کا دل اڑنے لگا، اور وہ اسلام کی طرف مائل ہوگئے، [۱]

حضرت طفیل بن عمرو الدوسیؓ شاعر اور اپنی قوم کے سردار تھے، وہ مکہ میں آئے، اور سرداران قریش سے ملے، تو اُن لوگوں نے کہا کہ تم شاعر اور اپنی قوم کے سردار ہو، اس لئے ہم کو خوف ہے کہ یہ شخص (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) تم سے ملے، اسکی بعض باتیں تم کو متاثر کر دیں، کیونکہ اس کی باتیں جادو کا اثر رکھتی ہیں، اور وہ اُن کے ذریعہ سے باپ، بیٹے، اور میاں بی بی میں جدائی ڈال دیتا ہے، سرداران قریش نے بار بار اس پر اصرار کیا، تو انھوں نے دل میں ٹھان لیا کہ میں مسجد میں داخل ہوں گا، تو کان بند کر لوں گا، چنانچہ انھوں نے کان میں کپڑا ٹھونس لیا، اور مسجد کے اندر گئے، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے، وہ آپ کے قریب کھڑے ہوگئے، اور بے ساختہ قرآن مجید کی بعض آیتیں سن لیں تو دل میں کہا کہ میں ہوشیار آدمی ہوں، اور بُرے اور بھلے میں امتیاز کر سکتا ہوں، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں ضرور سنوں گا، اگر وہ اچھی ہیں تو اُن کو قبول کروں گا، ورنہ اُن سے احتراز کروں گا، اب کان سے کپڑا نکال کر پھینک دیا، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے قرآن مجید سننے لگے، ان کا بیان ہے کہ میں نے کبھی اس سے بہتر کلام نہیں سُنا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پلٹے تو وہ بھی ساتھ ہو لئے، اور آپ کے گھر کے اندر گئے، اور قریش کی ممانعت کا پورا واقعہ سنا کر کہا باوجود اس ممانعت کے میں نے بے ساختہ آپ کی بات سُن لی اور مجھے یقین ہوگیا کہ وہ حق ہے، میرے سامنے اپنا دین اور اپنے اوامر و نواہی پیش کیجئے، آپ نے ان کو دعوتِ اسلام دی اور وہ مسلمان ہو گئے، [۲]

اسلام لانے سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایذا رسانی کے لئے نکلے، لیکن مسجد میں آپ کی زبانِ مبارک سے چند آیتیں سنیں اور اُن سے متاثر ہوئے، پہلے تو اُن کے دل میں چند شکوک پیدا ہوئے، اور قریش کی طرح دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ آپ شاعر ہیں، کاہن ہیں، لیکن جب آپ

---

[۱] صحیح بخاری کتاب التفسیر تفسیر سورۂ طور مع فتح الباری [۲] استیعاب تذکرہ حضرت طفیل بن عمرو الدوسیؓ

سورہ ختم کر چکے، تو یہ تمام شکوک دور ہو گئے، اور اسلام ان کے دل میں پوری طرح جاگزین ہو گیا،[1]

نجاشی کے دربار میں حضرت جعفرؓ نے جب سورہ کھٰیعص کی ابتدا کی آیتیں پڑھ کر سنائیں تو وہ رو پڑا اور اس کی داڑھی تر ہو گئی، پھر کہا کہ خدا کی قسم یہ کلام اور توراۃ ایک ہی چراغ کے پرتو ہیں؛[2]

اشخاص سے الگ کفار کی جماعت کی جماعت قرآن مجید کے اثر سے متاثر ہو کر اسلام لائی، حبش میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا چرچا ہوا، تو بیس عیسائی آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے اُن کو دعوتِ اسلام دی، اور اُن کو قرآن مجید پڑھ کر سنایا، تو اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے، اور اسی وقت اسلام قبول کر لیا؛[3]

حضرت ابو عبیدہ بن حارث، حضرت ابو سلمہ بن عبد الاسدؓ، حضرت ارقم بن ابی الارقمؓ اور حضرت عثمان بن مظعون رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور آپ نے اُن کو دعوتِ اسلام دی اور قرآن مجید کی آیتیں پڑھ کر سنائیں، تو اُن لوگوں نے فوراً اسلام قبول کر لیا؛[4] لیکن مسلمانوں پر قرآن مجید کا اثر اس سے بھی زیادہ سخت ہوتا تھا، خود خداوند تعالیٰ فرماتا ہے،

تقشعر منہ جلود الذین یخشون ربھم ثم تلین جلودھم و قلوبھم الی ذکر اللہ، (زمر - ۳)	جس سے ان لوگوں کے جو اپنے رب سے ڈرتے ہیں، بدن کانپ اٹھتے ہیں، پھر اُن کے بدن اور دل نرم ہو کر اللہ کے ذکر کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں،

حضرت عبد اللہ بن زبیر نے اپنی دادی سے پوچھا کہ صحابہ کرام جب قرآن مجید پڑھتے تھے تو اُن کا کیا حال ہوتا تھا؟ بولیں وہی جس کو خدا نے اُن کا وصف قرار دیا ہے یعنی اُن کی آنکھیں

---

[1] مسند ابن حنبل جلد ۱ صفحہ [2] ایضاً جلد ۱ صفحہ ۲۰۳ [3] ابن ہشام مطبوعہ مصر جلد ۱ ص ۲۱۲، [4] اسد الغابہ تذکرہ ابو سلمہ بن عبد الاسد،

اشکبار ہو جاتی تھیں، اور اُن کے بدن کانپ اٹھتے تھے۔

اس اثر پذیری کا نتیجہ یہ تھا کہ قرآن مجید نے صحابۂ کرام کے دلوں میں خوف و خشیت کا ایک مستقل جذبہ پیدا کر دیا تھا، اس نے وہ ہر وقت اس کے خوف سے کانپتے رہتے تھے، حضرت عبد اللہ ابن عمرؓ کا بیان ہے کہ عہد نبوت میں ہم لوگ اس خوف کے مارے عورتوں سے ہنسی خوشی کی باتیں نہیں کرتے تھے کہ مبادا اس بارے میں کوئی آیت نازل نہ ہو جائے،

صلح حدیبیہ میں حضرت عمرؓ نے بار بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک سوال کیا جواب نہ ملا تو آنکھ گئے، اور دل میں خوف پیدا ہوا کہ کہیں انکے بارے میں کوئی آیت نہ نازل ہو جائے ایک دن رسول اللہ ﷺ خانۂ کعبہ کی دیوار کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے، حضرت ابو ذر غفاریؓ آ گئے، تو آپ نے اُن کو دیکھ کر فرمایا ھُمُ الخاسرون یعنی وہ لوگ گھاٹے میں ہیں، وہ گھبرا گئے کہ میرے بارے میں کوئی آیت تو نازل نہیں ہوئی،

بالخصوص جن آیتوں میں کسی فعل پر عذاب کی دھمکی دی جاتی تھی، صحابۂ کرام اُن سے اور بھی زیادہ خوف زدہ ہوتے تھے، چنانچہ جب یہ آیت نازل ہوئی،

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ	جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں، اور
الْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ	ان کو خدا کی راہ میں صرف نہیں کرتے ان
اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ	کو سخت عذاب کی بشارت دو،

تو تمام صحابہ پر گویا مصیبت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا، ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی آیت کی تلاوت فرما رہے تھے، حضرت مالک بن ثعلبہؓ کا جو ایک دولتمند صحابی تھے، گذر ہوا، تو آیت کو سن کر اُن پر غشی طاری ہو گئی، ہوش میں آئے، تو خدمت مبارک میں حاضر ہو کر عرض کی کہ یا رسول اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان کیا یہ آیت اُن لوگوں کی شان میں نازل ہوئی ہے، جو سونا چاندی جمع کرتے ہیں، ارشاد ہوا، ہاں" بولے شام تک مالک کے پاس ایک درہم اور ایک دینار بھی نہ ہوگا، چنانچہ

شام تک انھوں نے اپنی کل دولت خیرات کر دی، قرآن مجید کا یہی اثر ہے جس کو خطابی نے قرآن مجید کی ایک وجہ اعجاز قرار دیا ہے، اور اس نکتہ آفرینی پر اُن کو ناز ہے، چنانچہ فرماتے ہیں کہ میں قرآن مجید کے وجہ اعجاز کے متعلق ایک بات کہتا ہوں جس سے اور لوگوں نے غفلت برتی ہے، اور وہ اس کا وہ اثر ہے جو قلب و روح پر پڑتا ہے، کیونکہ قرآن کے علاوہ کوئی کلام خواہ وہ نظم میں ہو یا نثر میں باوجود خوف و ہیبت پیدا کرنے کے دل میں لذت و حلاوت کی وہ کیفیت نہیں پیدا کرتا، جو قرآن مجید پیدا کرتا ہے[1] خود خداوند تعالیٰ فرماتا ہے :-

"لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ"۔ اَللّٰهُ نَزَّلَ اَحْسَنَ الْحَدِيْثِ كِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ"

اس کے بخلاف اور انبیاء کے بعض معجزے تو بالکل بے اثر تھے، مثلاً حضرت سلیمان علیہ السلام کے یہ معجزے :-

وَلِسُلَيْمٰنَ الرِّيْحَ عَاصِفَةً تَجْرِيْ بِاَمْرِهٖٓ اِلَى الْاَرْضِ الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا وَكُنَّا بِكُلِّ شَيْءٍ عٰلِمِيْنَ وَمِنَ الشَّيٰطِيْنِ مَنْ يَّغُوْصُوْنَ لَهٗ وَيَعْمَلُوْنَ عَمَلًا دُوْنَ ذٰلِكَ وَكُنَّا لَهُمْ حٰفِظِيْنَ (انبیاء - ۶)

اور ہم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کا زور کی ہوا کو تابع بنا دیا تھا کہ وہ اُن کے حکم سے اس سرزمین کی طرف چلتی تھی، جس میں ہم نے برکت کر رکھی ہے، (مراد ملک شام سے) اور ہم ہر چیز کو جانتے ہیں اور بعضے بعضے شیاطین ایسے تھے کہ سلیمان کے لئے (دریاؤں میں) غوطہ لگاتے تھے (تاکہ موتی نکال کر دیں) اور وہ اور اور کام بھی اس کے علاوہ کیا کرتے تھے اور ہم اُن کے نگہبان تھے

[1] اتقان ج ۲ ص ۱۲۱

وَلِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ غُدُوُّھَا شَھْرٌ
وَّرَوَاحُھَا شَھْرٌ وَاَسَلْنَا لَہٗ عَیْنَ
الْقِطْرِ وَمِنَ الْجِنِّ مَنْ یَّعْمَلُ بَیْنَ
یَدَیْہِ بِاِذْنِ رَبِّہٖ یَعْمَلُوْنَ لَہٗ
مَا یَشَآءُ مِنْ مَّحَارِیْبَ وَتَمَاثِیْلَ
وَجِفَانٍ کَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍ
اِعْمَلُوْآ اٰلَ دَاوٗدَ شُکْرًا وَقَلِیْلٌ
مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْرُ۔

(سباء - ۲)

اور ہم نے سلیمان (علیہ السلام) کے لئے ہوا کو
مسخر کر دیا کہ اس کی صبح کی منزل ایک
مہینہ بھر کی اور اس کی شام کی منزل ایک
مہینہ بھر کی ہوتی، اور ہم نے ان کے لئے
تانبے کا چشمہ بہا دیا، اور جنات میں بعضے
وہ تھے، جو اُن کے آگے کام کرتے تھے اُن
کے رب کے حکم سے اور ..... جنات اُن کے لئے
وہ چیزیں بناتے تھے جو اُن کو منظور ہوتا،
بڑی بڑی عمارتیں اور مورتیں اور لگن جیسے
حوض اور دیگیں جو ایک ہی جگہ جمی رہیں
اے داؤد کے خاندان والو تم سب شکریہ
میں نیک کام کیا کرو، اور میرے بندوں
میں شکر گزار کم ہی ہوتے ہیں۔

وَالشَّیٰطِیْنَ کُلَّ بَنَّآءٍ وَّغَوَّاصٍ وَّ
اٰخَرِیْنَ مُقَرَّنِیْنَ فِی الْاَصْفَادِ،

(ص - ۳)

اور جنات کو بھی اُن کا تابع کر دیا، یعنی تعمیر
بنانے والوں کو بھی اور غوطہ خوروں کو بھی
اور دوسرے جنات کو بھی جو زنجیروں میں
جکڑے رہتے تھے،

تابع اور متبوع دونوں کے قلب، روح میں کوئی مذہبی اور اخلاقی اثر نہیں پیدا کرتے، بلکہ سرے سے اُن کو منصب نبوت ہی سے کوئی تعلق نہیں ہے، کیونکہ جن وشیاطین کی یہ اطاعت پیغمبرانہ اطاعت نہ تھی، بلکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے شاہانہ اقتدار کا نتیجہ تھی، اور وہ اُن سے اُسی طرح کام لیتے تھے

جس طرح غزوات میں گرفتار ہونے کے بعد کافر قیدیوں سے لیا جاتا ہے[۵۱]

البتہ جن و شیاطین حضرت سلیمان علیہ السلام کی جو اطاعت کرتے تھے، وہ اس اطاعت سے مختلف تھی، جو وہ کاہنوں اور جادوگروں کی کرتے تھے، کیونکہ کاہنوں اور جادوگروں کو تو شیاطین ناجائز کاموں میں مدد دیتے تھے،

لیکن حضرت سلیمان علیہ السلام اُن سے جائز اور مباح کام لیتے تھے، اس لئے یہ ایک دنیوی احسان تھا جس پر خدا کا شکر گذار ہونا چاہئے[۵۲]

غرض معجزہ کی یہ وہ قسم ہے جو شرعاً محمود ہے اور مذموم، اس سے اگر کوئی جائز فائدہ حاصل ہو جاتا ہے، تو وہ ایک احسان کی صورت اختیار کر لیتا ہے، ورنہ ایک فعل عبث اور تماشا بن جاتا ہے[۵۳] مثلاً اگر کوئی شخص بلا ضرورت شیر کے اوپر سوار ہوتا ہے، یا پل کے موجود ہوتے ہوئے پانی کے اوپر چلتا ہے، تو یہ ایک فعل عبث اور محض تماشا ہے[۵۴]

لیکن معجزہ کی ایک قسم اور ہے، جو اس سے اعلیٰ و اشرف ہے، اور وہ صاحب معجزہ اور اسکے پیرووں کو نیکی اور پرہیزگاری پر آمادہ کرتی ہے،

معجزہ کی یہی قسم منصب نبوت سے براہ راست تعلق رکھتی ہے، اور قرآن مجید اسی قسم کا معجزہ ہے، جنات نے حضرت سلیمان علیہ السلام کی بھی اطاعت قبول کی تھی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی مطیع ہوئے تھے، لیکن دونوں واقعوں کے نتائج مختلف تھے، حضرت سلیمان علیہ السلام کی شاہانہ اطاعت سے ان کو ذلت و خواری کے سوا کچھ نہیں ملا، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبرانہ اطاعت کا جو نتیجہ ہوا اس کو قرآن مجید نے خود انہی کی زبان سے اس طرح بیان کیا ہے،

---

[۵۱] کتاب النبوات لابن تیمیہ، صفحہ ۲۱۰،

[۵۲] کتاب المعجزات والکرامات لابن تیمیہ، صفحہ ۰ [۵۳] ایضاً صفحہ [۵۴] ایضاً

قُلْ اُوْحِیَ اِلَیَّ اَنَّہُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ
الْجِنِّ فَقَالُوْا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا
یَّھْدِیْ اِلَی الرُّشْدِ فَاٰمَنَّا بِہٖ
وَلَنْ نُّشْرِکَ بِرَبِّنَا اَحَدًا،

(جن - ۱)

آپ کہئے کہ میرے پاس اس بات کی وحی
آئی ہے، کہ جنات میں سے ایک جماعت نے
قرآن سُنا، پھر انھوں نے کہا کہ ہم نے ایک
عجیب قرآن سُنا ہے جو راہِ راست بتلاتا
ہے، تو ہم تو اُس پر ایمان لے آئے، اور
ہم اپنے رب کے ساتھ کسی کو شریک ہرگز نہ ٹھہرائیں گے

وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَیْکَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ
یَسْتَمِعُوْنَ الْقُرْاٰنَ، فَلَمَّا حَضَرُوْہُ
قَالُوْآ اَنْصِتُوْا فَلَمَّا قُضِیَ وَلَّوْآ اِلٰی
قَوْمِھِمْ مُّنْذِرِیْنَ، قَالُوْا یٰقَوْمَنَآ
اِنَّا سَمِعْنَا کِتٰبًا اُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوْسٰی
مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْہِ یَھْدِیْٓ
اِلَی الْحَقِّ وَاِلٰی طَرِیْقٍ مُّسْتَقِیْمٍ، یٰ
قَوْمَنَآ اَجِیْبُوْا دَاعِیَ اللّٰہِ وَاٰمِنُوْا
بِہٖ یَغْفِرْ لَکُمْ مِّنْ ذُنُوْبِکُمْ وَ
یُجِرْکُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ،

(احقاف - ۴)

اور جب ہم جنات کی ایک جماعت کو آپ
کی طرف لے آئے جو قرآن سننے لگے، غرض
جب وہ لوگ قرآن کے پاس آپہنچے تو
کہنے لگے کہ خاموش رہو پھر جب قرآن
پڑھا جا چکا تو وہ لوگ اپنی قوم کے پاس خبر
پہنچانے کے واسطے واپس گئے، کہنے لگے
کہ اے بھائیو! ہم ایک کتاب سن کر
آئے ہیں جو موسیٰ کے بعد نازل کی گئی ہے،
جو اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی
ہے، حق اور راہِ راست کی طرف رہنمائی
کرتی ہے، اے بھائیو! تم اللہ کی طرف
بلانے والے کا کہنا مانو اور اس پر
ایمان لاؤ، اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ
معاف کر دے گا اور تم کو دردناک عذاب سے محفوظ رکھے گا

ان دو قرن اطاعتوں کا مقابلہ کرکے علامہ ابن تیمیہ کتاب النبوات مین ایک موقع پر لکھتے ہین کہ جن وانس کے ساتھ ہمارے پیغمبر کا معاملہ حضرت سلیمان علیہ السلام وغیرہ کے معاملہ سے زیادہ مکمل ہے، کیونکہ یہ لوگ حضرت سلیمان علیہ السلام کی اطاعت شاہانہ اقتدار کی وجہ سے کرتے تھے لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت پیغمبرانہ اطاعت تھی،[1] دوسرے موقع پر لکھتے ہین کہ حضرت سلیمان علیہ السلام جنون کو فرمانبردار بنا کر اُن سے چند مباح کام لیتے تھے لیکن ہمارے پیغمبر اُن کو خدا پر ایمان لانے اور اس کی عبادت کرنے کی دعوت دیتے تھے، اس لئے آپ کی پیروی کرکے وہ سعادت مند ہوگئے تھے، اور پیغمبر کے لئے اور ان کے لئے زیادہ کامل ترین طریقہ ہے[2] لیکن بہت سے معجزے ایسے بھی ہوتے ہین، جن کا اثر خود صاحب معجزہ پر بھی پڑتا ہے، اور دوسرون پر بھی وہ اثر ڈالتے ہین لیکن باین ہمہ قرآن مجید کے روحانی اثر کے مقابلہ مین اُن کا درجہ بہت کم ہے، علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہین کہ خداوند تعالیٰ کے کلمات کی دو قسمین ہین

۱- ایک کلمات کونیہ جن مین تمام کائنات داخل ہے، انبیاء کے مادی معجزے ان ہی مین شامل ہین،

۲- دوسرے کلمات دینیہ جن مین قرآن، خدا کی شریعت اور اس کے اوامر و نواہی شامل ہین اور بندہ کا کام یہ ہے کہ اس کا علم حاصل کرے، اور اس پر عامل ہو جس طرح کلمات کونیہ کے متعلق بندہ کا کام یہ ہے، کہ تکوینی امور کا علم حاصل کرے، اور اُن پر اثر ڈالے،

پہلی قسم کے معجزات سے تکوینی امور کا اور دوسری قسم کے معجزات سے شرعی امور کا علم حاصل ہوتا ہے، اور پہلی قسم کے معجزات مادیات پر اثر کرتے ہین، اور دوسری قسم کے معجزات شرعیات پر، اور جس طرح پہلی قسم کے معجزات کا خود صاحب معجزہ پر تو یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ پانی پر چل سکتا ہے، ہوا مین اُڑ سکتا ہے، اور آگ کے اندر گھس سکتا ہے، اور دوسرون پر وہ اُن کے ذریعہ سے یہ اثر

---

[1] کتاب النبوات ص ۲۱۲ [2] ایضاً ص ۱۰،

ڈال سکتا ہے کہ ان کو بیمار کر سکتا ہے، اُن کو تندرست بنا سکتا ہے، اُن کو مار ڈال سکتا ہے اور اُن کو محتاج اور دولت مند بنا سکتا ہے، اسی طرح دوسری قسم کے معجزات کا صاحب معجزہ پر یہ اثر ہوتا ہے کہ وہ خود خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کرتا ہے، اور ثواب وسنت کا پابند ہو جاتا ہے، پھر دوسروں پر وہ یہ اثر ڈالتا ہے کہ اُن کو خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم دیتا ہے، اور لوگ شرعی حیثیت سے اس کی اطاعت کرنے لگتے ہیں، لیکن معجزات کا تعلق جہاں تک علم وقدرت سے ہے، اگر وہ موجود نہ ہوں، تو اس سے کسی مسلمان کو کوئی دینی نقصان نہیں پہنچتا، اگر ایک شخص کو غیبی امور کا علم حاصل نہ ہوا اور مادیات اس کے زیر اثر نہ ہوں، تو اس سے خدا کے نزدیک اس کا درجہ کم نہیں ہو سکتا، لیکن اگر کوئی شخص امور دینیہ کا پابند نہ ہو، تو اس سے اس میں ایک ایسا نقص پیدا ہو جائیگا جس سے یا تو وہ عذاب کا مستحق ہوگا یا ثواب سے محروم رہے گا، کیونکہ دین کا علم حاصل کرنا اور اس کی تعلیم اور اس کی پابندی کا حکم دینا ایسی چیز ہے جس سے آدمی کو خدا کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے اور وہ اُس کے ثواب کا مستحق ہوتا ہے، لیکن کائنات کا علم حاصل کرنا اور اس پر اثر ڈالنا، تو اس سے یہ چیزیں اسی وقت حاصل ہوتی ہیں، جب وہ دین میں شامل ہوں، ورنہ کبھی کبھی اس سے آدمی گنہگار بھی ہو جاتا ہے[1]،

معجزات پر ایک بڑا اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ اُن سے پیغمبروں کا دعوائے نبوت ثابت نہیں ہوتا، مثلاً جو شخص دعوائے نبوت کرتا ہے، وہ یہ کہتا ہے کہ میں معاش ومعاد کا سیدھا راستہ دکھاتا ہوں لیکن وہ اس کی دلیل یہ پیش کرتا ہے کہ میں لاٹھی کو سانپ بنا سکتا ہوں، تو یہ دلیل گو کتنی ہی عجیب وغریب ہو، لیکن اس کو دعوی کے ساتھ کیا مناسبت ہے؟ اس کا یہ دعویٰ تو صرف اسی وقت ثابت ہو سکتا ہے، جب وہ معاش ومعاد کی تمام اصلاحی صورتیں بتائے اور

---

[1] المعجزات والکرامات ص ۹،۱۰

لوگون کو ان کا پابند بناتے، لیکن یہ اعتراض کلمات کونیہ یعنی مادی معجزات پر ہوتا ہے، کلمات دینیہ یعنی قرآن مجید پر نہین ہوتا، کیونکہ وہ نہایت تفصیل کے ساتھ معاش و معاد کی تمام اصلاحی صورتین بتاتا ہے اور لوگون کو ان کا پابند بناتا ہے، اس لئے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دعوی نبوت کے ساتھ نہایت گہرا ربط و تعلق رکھتا ہے، بلکہ وہی آپ کا دعوی بھی ہے، اور دلیل بھی،

علامہ ابن تیمیہ لکھتے ہین کہ قرآن مجید جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کرائے وہی خداوند تعالیٰ کی شریعت اور اس کے دینی کلمات ہین، اور وہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی دلیل بھی ہے، دعوت بھی ہے، اور معجزہ بھی ہے[1]،

بہرحال قرآن مجید ایک معجزۂ ناطق ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کی شہادت دیتا ہے وہ زبان قال ہو لیکن، اور انبیا کے مادی معجزے صرف زبان حال ہین، زبان قال نہین، وہ پانی کے اوپر چلنے ہوا مین اڑنے اور آگ مین گھسنے کی طاقت تو نہین پیدا کرتا، لیکن نیک کامون پر عمل کرنے کی طاقت پیدا کرتا ہے، جو دین و دنیا دونون مین مفید ہین، مثلاً جب قرآن مجید کی یہ آیت نازل ہوئی،

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوا مِمَّا تُحِبُّوْنَ	تم لوگ جب تک اپنی محبوب ترین چیزون
(آل عمران - ۱۰)	کو نہ صرف کروگے نیکی کو ہرگز نہین پاسکتے،

تو حضرت ابو طلحہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت مین حاضر ہوئے، اور کہا کہ "خدا جالا مال مانگتا ہے آپ گواہ رہئے کہ اریحا مین میری جو زمین ہے اس کو اس کے نام پر وقف کرتا ہون"، زمانۂ جاہلیت مین عرب کی عورتین نہایت بے پروائی کے ساتھ دوپٹہ اوڑھتی تھین، اس لئے سینہ اور سر وغیرہ کھلا رہتا تھا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی،

وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ	عورتون کو چاہئے کہ اپنے دوپٹون کو سینے پر ڈال لین

---

[1] المعجزات والکرامات ص ۱۱،

اس کا یہ اثر ہوا کہ عورتون نے اپنے تہ بند اور متفرق کپڑون کو پھاڑ کر دوپٹے بنائے، اور اپنے آپ کو سیاہ چادرون سے اس طرح ڈھانپ لیا کہ حضرت عائشہؓ کے قول کے موافق یہ معلوم ہوتا تھا کہ اُن کے سرکوون کے آشیانے بن گئے ہین،

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے، تو لوگ ناپ جوکھ مین سخت خیانت کرتے تھے، اس پر سورہ ویل للمطففین نازل ہوئی، اور لوگ دیانت سے کام لینے لگے،

اصحابِ صفہ کی معاش کا بہت کچھ دارومدار انصار کی فیاضی پر تھا، یہ لوگ کھجور کے خوشے لاکر مسجد مین لٹکا دیتے تھے، اصحابِ صفہ آتے تھے، اور چھڑی سے اُن کو ہلاتے تھے، جو کھجورین ٹپک پڑتی تھین اُن کو کھا لیتے تھے، لیکن انصار مین کچھ لوگ ایسے بھی تھے، جو سڑے گلے خوشے لاکر لٹکا دیتے تھے اس پر یہ آیت نازل ہوئی،

یا ایھا الذین آمنوا انفقوا من طیبات — مسلمانو! اپنی بہترین کمائی اور بہترین
ما کسبتم ومما اخرجنا لکم من الارض — پیداوار سے صدقہ دو، بُرے مال کو
ولا تیمموا الخبیث منہ تنفقون، (بقرہ-۳۷) — خیرات نہ کرو،

اس کے بعد دفعۃً اس حالت مین انقلاب پیدا ہوگیا، اور تمام لوگ بہترین کھجورین لانے لگے،

اسلام کے فرائض واعمال مین جہاد سب سے خطرناک کام ہے لیکن صحابہ کرام کو قرآن مجید ہی کے اثر نے جہاد پر آمادہ کیا تھا، اور اسی اثر کی بدولت وہ سخت سے سخت جنگی خطرات مین ثابت قدم رہتے تھے، ایک بار قسطنطنیہ مین رومیون سے مسلمانون کا مقابلہ ہوا، رومی بالکل قسطنطنیہ کی دیوار کے متصل صف زن تھے، ایک مسلمان نے جرأت کرکے حملہ شروع کیا، تو لوگ پکارے "ہان ہان اپنی جان کو ہلاکت مین ڈالتے ہو" حضرت ابو ایوب انصاریؓ ساتھ تھے، بولے "یہ آیت تو ہم انصار کے بارے مین نازل ہوئی ہے" جب اسلام نے قوت حاصل کرلی تو ہم لوگ اپنی معاش کے کام

و دھندے میں مشغول ہوگئے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی،

وَانفقوا فی سبیل اللہ ولا تلقوا	اور خدا کی راہ میں خرچ کرو اور اپنی جانوں
بایدیکم الی التھلکۃ (بقرہ - ۲۴)	کو ہلاکت میں نہ ڈالو،

اس لئے اصلی ہلاکت یہ ہے کہ ہم معاش کے کاروبار میں مشغول ہو جائیں، اور جہاد کو چھوڑ دیں، راوی کا بیان ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی، حضرت ابو ایوب انصاریؓ ہمیشہ مصروف جہاد رہے، یہاں تک کہ قسطنطنیہ میں وفات پاکر مدفون ہوئے، جنگ یمامہ میں جب حضرت سالمؓ کو علم عطا کیا گیا، تو ایک شخص نے کہا کہ ہم کو آپ کی جان کا خوف ہے، اس لئے جھنڈا دوسرے کے ہاتھ میں دینا چاہتے ہیں، بولے تو میں اس حالت میں قرآن مجید کا بدترین حامل ہوں گا، چنانچہ انھوں نے علم کو داہنے ہاتھ میں لیا، جب وہ کٹ گیا، تو بائیں ہاتھ میں لیا، وہ بھی کٹ گیا، تو علم کو سینے سے چمٹا لیا، اور یہ آیت پڑھنے لگے،

وَمَا محمد الا رسول ... وکاین	محمد صرف ایک پیغمبر ہیں..... اور بہت سے
من نبی قتل معہ ربیون کثیر،	پیغمبر گذرے ہیں جن کے ساتھ ہو کر بہت
(آل عمران - ۱۵)	سے علماء نے جنگ کی ہے،

(باقی)

اجتماعیت کا قرآنی تصوّر

از

جناب مولوی حیدر زمان صاحب صدیقی

کائناتِ ہستی فطرت کی عجوبہ زاریوں اور جدت طرازیوں کی آماجگاہ ہے اور اس جہانِ رنگ و بو کی ہر چیز کچھ اس طرح کی حسین و پرکشش واقع ہوئی ہے کہ اس میں نظرِ حقیقت شناس کو زندگی کی لطیف تر حقیقتیں اُبھری اور نکھری ہوئی دکھائی دیتی ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک ہی حسن جلوہ طراز اور ایک ہی نورِ جہان تاب ہے جو پوری کائنات کو اپنے جلو میں لئے ہوئے ہے، صحن گلشن کا حسین منظر ہو یا لق و دق صحرا کی ناپید کنار وسعت، شہری زندگی کی ہنگامہ پرور اور رنگین محفلیں ہوں، یا دشت و خیز کی خاموش، اور پرسکون خلوتیں، صبح حیات کی مسکراہٹیں ہوں، یا شام زندگی کی دلفریبیاں، آبشاروں کا سمع نواز ترنم ہو یا رعد و برق کی خوفناک کڑک، بزم طرب شادی کے نغمہ ہائے مسرت ہوں، یا مجلس تعزیت کی دلدوز آہیں، یہ سب کچھ دل خواہ گاہ و حقیقت شناس کی نظر میں ایک ہی سلسلۂ وجود کی مختلف کڑیاں ہیں، ایک ہی نورِ مطلق پر اُن کی انتہا ہوتی ہے،

وَفِی الْاَرْضِ آیَاتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ وَفِیْ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ،	زمین اور خود تمہارے وجود میں اہل یقین و ایمان کے لئے نشانیاں ہیں، کیا تم دیکھتے نہیں ہو؟
(الذّاریات)	
اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَذِکْرٰی لِمَنْ کَانَ لَهٗ	بلاشبہ اس میں نصیحت و عبرت ہے اس کیلئے

قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ	جو اپنے پہلو مین حساس دل رکھتا ہے،
(ق)	یا پوری طرح متوجہ ہو کر کان ... لگاتا ہو

ارض وسما کی یہ کائنات جو روزمرہ ہمارے مشاہدہ مین آتی ہے، اس کی ہر چیز بظاہر منفرد اور تنہا وجود رکھتی ہو اور اپنے کام اور وظائف طبعی کے لحاظ سے دوسری اشیاے عالم سے بالکل الگ تھلگ محسوس ہوتی ہے مگر پردۂ مجاز کو سامنے سے ہٹا کر حقیقت پر نگاہ ڈالئے تو چشم بینا ایک وسیع ترا ور آفاق گیر نظام کائنات کا مشاہدہ کرتی ہے، اور ہر وجود شخص دراصل اس کائناتی نظام کا ایک جزو لاینفک ہو، عالم لاہوتی ہو، یا کائنات ناسوتی محفل انجم ہو، یا جہانِ نباتات ارضی، نظام سحاب و باد و باران ہو، یا سلسلۂ کوہ و بیابان، غرض اس عالم کی ہر چیز ہمہ گیر نظام کائنات کی ایک کڑی ہے، یا دنیا کے اس عظیم ترین کارخانہ کا ایک پرزہ ہو جس کا وجود وبقا کارخانہ کے وجود و بقا پر موقوف ہے،

قرآن کریم بار بار عناصر کائنات کی ماہیت اور اُن کی اجتماعی تاثیر و افادیت مین غور و فکر کی دعوت دیتا ہے عالم افلاک، عالم جو سما اور ہمارے جہانِ رنگ و بو کے اہم عناصر کو ایک ساتھ ذکر کرتا ہے جس سے ان اشیاء کے معنوی اور افادی تعلق و ربط کا اظہار ہوتا ہے، بلکہ بیشتر مقامات مین قرآن خود ہی اشیاے عالم کے باہم افادی تعلقات کو اپنے مخصوص اسلوب بیان مین ذکر کرتا ہے،

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ وَلَوْ	کیا آپ نے اپنے رب کی طرف نہین دیکھا کہ اُس
شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ	نے سایہ کو کیسے پھیلایا، اگر وہ چاہتا تو اسکو
عَلَيْهِ دَلِيْلًا، ثُمَّ قَبَضْنٰهُ اِلَيْنَا	ٹھہرا دیتا، پھر ہم نے سورج کو اس پر دلیل
قَبْضًا يَّسِيْرًا، وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ	قرار دیا، پھر آہستگی سے ہم نے اس کو اپنی
الَّيْلَ لِبَاسًا وَّالنَّوْمَ سُبَاتًا وَّجَعَلَ	طرف کھینچ لیا، خدا کی ذات نے تمھارے لئے
النَّهَارَ نُشُوْرًا، وَهُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ	رات کو لباس اور نیند کو راحت بنایا،

الرِّيَاحَ بُشْرًا بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهِ
وَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا
لِنُحْيِيَ بِهِ بَلْدَةً مَيْتًا وَنُسْقِيَهُ مِمَّا
خَلَقْنَا أَنْعَامًا وَأَنَاسِيَّ كَثِيرًا ،

(الفرقان - ۵)

اسی نے زمین کے اندر چھپ جانے کی غرض
سے دن بنایا، وہی ذات ہے جس نے ہواؤں
کو بھیجا، جو اس کی رحمت کی بشارت دینے والی
ہیں، اور ہم نے آسمان سے پاکیزہ پانی اتارا،
تاکہ ہم اس کے ذریعہ مردہ بستیوں کو آباد کریں
اور یہ پانی اپنی مخلوق میں سے چار پایوں اور
بہت سے لوگوں کو پلاتے ہیں،

أَلَمْ تَرَ أَنَّ اللَّهَ يُزْجِي سَحَابًا ثُمَّ يُؤَلِّفُ
بَيْنَهُ ثُمَّ يَجْعَلُهُ رُكَامًا فَتَرَى الْوَدْقَ
يَخْرُجُ مِنْ خِلَالِهِ وَيُنَزِّلُ مِنَ السَّمَاءِ
مِنْ جِبَالٍ فِيهَا مِنْ بَرَدٍ فَيُصِيبُ بِهِ
مَنْ يَشَاءُ وَيَصْرِفُهُ عَنْ مَنْ يَشَاءُ
يَكَادُ سَنَا بَرْقِهِ يَذْهَبُ بِالْأَبْصَارِ

(النور)

کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالی بادلوں
کو چلاتا ہے، پھر ان کو جمع کرتا ہے پھر ان کو
تہ بہ تہ رکھتا ہے، پھر تم دیکھتے ہو کہ ان کے
اندر سے بارش نکلتی ہے، اور پہاڑوں کی
بلندی کی جانب سے برف (جو فضا میں ہوا کی
سردی سے منجمد ہوتی ہے) اتارتا ہے، پس یہ
برف جس پر چاہتا ہے اتارتا ہے اور جس سے
چاہتا ہے، پھیر دیتا ہے قریب ہے کہ بجلی (جو بادلوں
کے ٹکراؤ سے پیدا ہوتی ہو) کی چمک آنکھوں کی
(روشنی اچک لے)

عالم ارض و سما کے اس وسیع تر نظام افادہ و اشتراک اور اس کے حسین و جمیل مناظر میں اہل بینش کے لئے جو چیز وجہ کشش ہے وہ یہ ہے کہ اس کائنات کی ہر چیز ایک فوق الفطرت طاقت کے زیر اثر اپنی منزل مقصود کی جانب رواں دواں ہے، چاروں طرف نگاہ اٹھا کر دیکھیں تو آپ کو ایسا معلوم ہوگا کہ ذرہ سے لے کر بڑا

یمک، آبِ جو سے لے کر سمندر تک، زمین کی پستی سے لے کر آسمان کی بلندی تک عالم نباتات سے لے کر جہان مہر وانجم تک کائنات کی ہر چیز اطاعت شعاری اور اثر پذیری کا عجیب و غریب مرقع ہے، گویا وہ کیف و مستی کے عالم میں مستانہ وار آشنا و دوست کی جانب بڑھ رہی ہے،

وابرح مایکون الشوق یومًا

اذا دنت الخیام من الخیام

غلط کار لوگوں نے اسلام کو بس اتنا ہی سمجھ رکھا ہے کہ وہ چند آداب و مراسم کا مجموعہ ہے، یا دوسرے مذاہب کی طرح کا ایک مذہب ہے، جو صرف چند اخلاقی اصول و قوانین ہی کی پونجی اپنے پاس رکھتا ہے اور عصر حاضر کے کچھ حواس باختہ اور خود ساختہ مفسرین اسلام کو نازی ازم اور فسطائی ازم کی طرح کا ایک خالص قوم پرستانہ نظام سیاست، اور قرآن کو محض سیاسی دستور اور بین الملی قوانین (انٹرنیشنل لاز) کا منشور تصور کرتے ہیں، لیکن قرآن حکیم کا دعویٰ یہ ہے کہ اسلام پوری کائنات کا مذہب ہے، ایک ہمہ گیر اور آفاقی نظامِ اطاعت ہے، کائناتی دستور حیات ہے، اور عالم کون و مکان کا کوئی گوشہ اُس کے تصرف سے باہر نہیں ہے،

افغیر دین اللہ یبغون ولہ اسلم	کیا وہ اللہ کے دین کو چھوڑ کر
من فی السموات والارض طوعًا	دوسرا دین اختیار کرتے ہیں ؟ حالانکہ آسمان
وکرھًا والیہ یرجعون،	اور زمین کی تمام چیزیں صرف اللہ کی اطاعت
(آل عمران)	گذار ہیں، اور ان کو بالآخر اسی کی طرف

درحقیقت اسی نظام اطاعت اور سررشتۂ اجتماعیت سے اس عالم کا بناؤ سنگار اور حسن بہار آفرین قائم ہے، بلکہ سرے سے اس کا وجود و بقا ہی اس کا رہین احسان ہے، اور جو چیز اس آفاقی گیر نظام سے کٹ جاتی ہے اس کا انجام بہر حال خسران و نامرادی کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے،

ومن یبتغ غیر الاسلام دینًا فلن	جو اسلام کو چھوڑ کر کسی دوسرے دین کو تلاش

یقبل منہ وھو فی الآخرۃ من الخاسرین ، (آل عمران)

کرے گا تو وہ بارگاہ خداوندی میں ہرگز قبول نہ ہوگا، اور انجام کار وہ نقصان اٹھانے والوں میں سے ہوگا،

بلکہ ایسی چیز کے لئے آغوش عدم کے سوا کوئی جگہ ہی نہیں ہے، درخت کا پتہ جب تک اپنے نباتاتی نظام سے وابستہ ہے، اس وقت تک وہ اپنے خوبصورت وجود کو قائم رکھ سکتا ہے لیکن جونہی وہ اس نظام سے کٹا پاؤں کی رگڑ سے ذرہ ہائے خاک میں تحلیل ہوا یا ہوائے تند و تیز اس کو اڑا کر کہیں سے کہیں لے گئی دریا کی طوفانی موج اپنے اندر بے پناہ قوت رکھتی ہے لیکن کب تک ؟ جب تک کہ وہ اپنے مرکز وجود سے لگک حاصل کر رہی ہے لیکن اس سے کٹ کر وہ اپنے وجود ہی کو باقی نہیں رکھ سکتی ،

غرض اسلام اپنے وسیع تر مفہوم کے اعتبار سے پوری کائنات کا ضابطہ و دستور اور نظام اطاعت ہے اور کائنات کی ہر چیز اس نظام کے زیر اثر جہاں کی تعمیر اور ممکنات حیات کو اجاگر کرنے میں مصروف کار ہے

خلافت آدم کا مفہوم | نوع انسانی اسی عظیم الشان کارخانہ قدرت کا ایک فعال اور موثر عنصر ہے، عالم امکان کے یہ پے بہ پے ہنگامۂ ایجاد و تخلیق کی زیب و حسن آفرینیاں اور جہان رنگ و بو کے رنگا رنگ نقش و نگار انسان ہی کے وجود موثر کے حیرت زا کرشمے ہیں، اگر اور سب کچھ ہوتا اور انسان نہ ہوتا تو نہ جانے یہ دنیا کس طرح کی بے ڈھنگی، اور وحشت انگیز ہوتی، آخر یہ حضرت انسان ہی تو ہیں جس کی پیدائش پر دیار عشق میں ہنگامہ و شور اٹھا، جہان حسن میں تہلکہ بپا ہوا، اور فطرت نے ممکنات وجود کی تمام راہیں اس کے لئے وا کر دیں،

نعرہ زد عشق کہ خونین جگرے پیدا شد
حسن لرزید کہ صاحب نظرے پیدا شد
فطرت آشفت کہ از خاک جہان مجبور
خود گرے خود شکنے خود نگرے پیدا شد

یہ سچ ہے کہ عالم وجود کی زیب و زینت اور سوز و ساز انسان ہی کے دم سے ہے لیکن خود انسان کیا ہے اور عالم امکان میں اس کا مقام و موقف کیا ہے ؟ یہی وہ اہم مسئلہ ہے جس کے حل ہو جانے سے انسانی تصور اجتماع

کی حقیقت خود بخود ہی آشکار ہو کر سامنے آجائے گی،

قادر مطلق نے جب کائنات کو پیدا کیا تو ایک ایسی ہستی کا پیدا کرنا بھی ضروری ہوا جو اپنی طبعی اور فطری قوت تخلیق سے انواع کائنات مین تصرف کر سکے، اس کا آہنی عزم ویرانون کو آباد کرے، دریاؤن سے نہرین نکال کر خشک زمینون کو شاداب کرے، سورج کی تمازت سے دہکتے ہوئے دشت و صحرا کو کشت گل و لالہ مین تبدیل کرے، خوش منظر اور بارونق شہرون کی بنا ڈالے اور اس کا علمی و تحقیقی جوہر اشیار کی صلاحیتون کو اجاگر کرے، موالید و عناصر کی مدد سے نئے نئے اکتشافات کو منظر عام پر لائے، سمندر کی متلاطم خیز موجون کو مسخر کرے، ہوا پر اپنا تسلط جمائے، یہان تک کہ ارض و سما کی ناپائدار کنار وسعتین اس کے لئے سمٹ جائین اور وہ اپنے علم و عمل سے کائنات پر حکمرانی کرے، اسرار فطرت کی آگہی کیساتھ عالم وجود کی ہر شے کو منشائے قدرت کے مطابق کام مین لائے اور اس مین کوئی ایسا تصرف نہ کرے جو نظم کائنات کے فساد و اختلال کا باعث ہو، بلکہ وہ ایسا تصرف کرے جس سے کائنات کے حسن ذاتی مین پہلے سے زیادہ چمک دمک پیدا ہو اور کوہ و بیابان اس کی بہار آفرینیون سے مہک اٹھین،

حاصل یہ ہے کہ خلاق عالم نے اس کائنات کو ایک خاص مقصد کے تحت پیدا کیا ہے، اور اس کے ارتقار کے لئے کچھ قوانین طبعی بنا دیتے ہین تاکہ ان کے زیر اثر کائنات کی مختلف انواع اپنے نوعی و جزوی تشخص کی حفاظت و صیانت مین مصروف کار رہین لیکن ان انواع کی ترکیب سے کارخانہ فطرت مین حسن و دلکشی پیدا کرنے، ان کو خلاق عالم کے منشار کے مطابق وسعت عطا کرنے اور زیادہ سے زیادہ منفعت بخش بنانے کے لئے ایک باشعور اور صاحب ارادہ ہستی کی ضرورت تھی اور اس مقصد کے لئے خداوند عالم نے انسانون کو پیدا کیا،

تو شب آفریدی چراغ آفریدم   سفال آفریدی ایاغ آفریدم
بیابان و کہسار و راغ آفریدی   خیابان و گلزار و باغ آفریدم

من آنم کہ از سنگ آئینہ سازم — من آنم کہ از زہر نوشینہ سازم (اقبالؒ)

اس لئے انسان کا تصورِ حیات صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ وہ اسرارِ فطرت کی ٹوہ لگائے اور حقائقِ کائنات کی طلب و جستجو میں اپنی علمی اور عملی قوتیں صرف کرے، بلکہ اس کا مقصد وجود یہ ہے کہ وہ اسرارِ فطرت کی دریافت اور حقائقِ اشیا کے انکشاف سے اپنے لئے ایک ایسی راہ پیدا کرے جس سے اشیائے عالم اور قوانینِ فطرت میں زیادہ سے زیادہ ہم آہنگی پیدا ہو اور خلاقِ عالم کے زیر اثر اپنے علم و عمل کو کام میں لائے، لہذا خلافتِ آدم کے معنی یہ ہوئے کہ خدا نے قدرتی طور سے انسان کو یہ حق دیا ہے کہ وہ اپنے شعور و ارادہ اور قوائے علم و عمل سے کائنات میں تصرف کرے، یہ حق طبعی طور پر ہر حق مطلق انسان کا حصہ ہے کسی خاص گروہ انسانی سے مخصوص نہیں ہے، لیکن یہ مسئلہ ہے کہ قدرت کے اس کارخانہ میں حق یونہی مفت تقسیم نہیں ہوا کرتا، بلکہ اس کے لئے علم و عمل کی مخصوص صلاحیتیں ضروری قرار دی گئی ہیں،

وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِمَّا عَمِلُوا — اور ہر ایک کے درجے اس کے اعمال کے مطابق ہوتے ہیں،

مثلاً یوں سمجھئے کہ خدا نے ہر انسان کو یہ حق دیا ہے کہ وہ زیادہ سے زیادہ علم حاصل کرے، اور زیادہ سے زیادہ دولت کمائے لیکن اس دنیا میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو اس حق سے محروم ہیں محض اس لئے کہ اس مقصد کے لئے جس طرح کی کوشش و سعی کی ضرورت ہوا کرتی ہے، اس کو وہ کام میں نہیں لاتے، بالکل یہی حال خلافت کا ہے، کہ اس منصب کو حاصل کرنے کی راہیں تمام انسانوں کے لئے یکساں وا کر دی گئی ہیں لیکن اس کو علم و عمل کی صلاحیتوں سے مشروط کر دیا گیا ہے، چنانچہ قرآن حکیم نے ایک جگہ ذکرِ خلافت کے بعد علم کا ذکر کیا ہے،

وَعَلَّمَ آدَمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا، (بقرہ) — خدا نے آدم کو حقائقِ اشیاء کا علم عطا کیا،

اور ایک دوسرے مقام پر خلافت کو عمل سے مشروط کیا گیا ہے،

ثُمَّ جَعَلْنَاكُمْ خَلَائِفَ فِي الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ (سورۂ یونس)

پھر ہم نے دوسری قوموں کے بعد تم کو زمین میں خلیفہ بنایا تاکہ ہم دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو

زمانہ حال کے خود ساختہ شارحین اسلام کے نزدیک خلافت، حکومت و اقتدار کو ہم معنی ہے اور وہ ہر جگہ خلافت کا یہی مفہوم لیتے ہیں لیکن یہ اُن کی تنگ نظری ہے، خلافت دراصل ایک علمی و اخلاقی مقام بندگی ہے، شرفِ انسانیت کی معراج ہے، علم و عمل اور فضائل اخلاق کی وہ پاکیزہ ترمنزل ہے، جو عصر حاضر کے کوتاہ نظر اور ہوا پرست انسان کے تصور میں بھی نہیں آسکتی، ؎

با تو چہ گویم کہ تو مجنون تنی!

یعنی خلافت آدم کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ انسان کو ابتدائے آفرینش سے یہ قوت عطا ہوئی ہے کہ وہ خدائی صفات کمال کا مظہر اتم بن کر کائناتِ ارض کا نظم و نسق اپنے ہاتھ میں لے لے، اور زندگی کے پورے کاروبار کو منشائے خداوندی کے مطابق چلائے،

نائبِ حق در جہان بودن خوش است
بر عناصر حکمران بودن خوش است

نائبِ حق ہمچو جانِ عالم است
ہستیِ او ظلِ اسمِ اعظم است

از رموزِ جزو و کل آگاہ بود
در جہان قائم بامر اللہ بود

ذاتِ او توجیہ ذاتِ عالم است
از جلالِ او نجاتِ عالم است

زندگی را می کند تفسیر نو
می دہد این خواب را تعبیر نو

یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ نیابت کے معنی اس کے سوا کچھ نہیں ہیں کہ نائب فرائض مفوضہ کو اس طرح

انجام دے جس طرح اُس کے منوب عنہ نے اس کو ہدایت کی ہے، اور اس ہدایت نامہ سے سرمو انحراف نہ کرے، اگر وہ اس سے انحراف کرتا ہے تو وہ صولاً اپنے منصب نیابت کا اہل نہیں رہتا، کیونکہ یہ حق مشروط ہے اور انتفاء شرط انتفاء مشروط کو مستلزم ہے،

لہٰذا خلافت دراصل حکومت و اقتدار کی ہم معنی نہیں ہے، البتہ حکومت و اقتدار کو مستلزم ہے لیکن حکومت و اقتدار خلافت کو مستلزم نہیں ہے یعنی جس گروہ انسانی کو منصب خلافت عطا ہوگا، حکومت و اقتدار کی مسند بھی اُسے حاصل ہوگی لیکن یہ ضروری نہیں ہے کہ جس قوم کو حکومتی اقتدار حاصل ہو وہ منصب خلافت سے بھی سرفراز ہو، گویا خلافت ایک عظیم القدر مقام حریت ہے، جو اس عالم رنگ و بو میں نہیں سما سکتا، بلکہ وہ سپہر نیلگون اور جہان انفس و آفاق کو محیط ہے؛

نکتہ می گویمت روشن چو دُر تا شناسی امتیاز عبد و حر
عبد گردد یاوہ در لیل و نہار در دل حُر یاوہ گردد روزگار (اقبال)

آج اہل مغرب میں بہت کم سہی لیکن کچھ لوگ اس رمز سے آشنا ہو چکے ہیں کہ سیاست و اجتماع حکومت و اقتدار کی بنیادیں جب تک ہمہ گیر انسانی بلکہ کائناتی قدروں پر نہ اٹھائی جائیں گی، عالم انسانیت کو امن و فراغت کا ایک لمحہ بھی نصیب نہیں ہو سکتا، چنانچہ پروفیسر جوڈ اور یہودی النسل فلسفی اسکونٹ سموئل اور دیگر کئی علماء و مفکرین نے بارہا اس حقیقت کا اظہار کیا ہے کہ زندگی کے دوامی اور مستقل عقائد و افکار ہی انسانی زندگی کو صحیح راہ پر ڈال سکتے ہیں، اور اس طرح اس مادی زندگی میں ایک خوشگوار اور پُرامن انقلاب رونما ہو سکتا ہے، لیکن جس حقیقت کو ہم "خلافت" کی مقدس اصطلاح سے موسوم کرتے ہیں، دراصل اسی طرح کے عالمی، آفاقی اور ہمہ گیر تصورات پر مبنی ہے، اور خلافت کا حقیقی منصب یہ ہے کہ اس کی نظر میں کسی ایک انسانی طبقہ یا کسی ایک خطہ ارضی کی فلاح و بہبود اور اصلاح و تعمیر کافی نہیں ہے، بلکہ وہ ہر انسان اور ہر ملک کی فلاح چاہتی ہے، جہاں بھی اس کو بگاڑ نظر آتا ہے،

اس کو سنوارتی ہے، جہاں فساد کا ظہور ہوتا ہے اسکی اصلاح کرتی ہے، جہاں ظلم و قہر سے انسانیت مجروح ہوتی ہے، وہاں اس کا دامن عدل و انصاف وا ہوتا ہے، اور جہاں فسق و بہیمیت کی وبا پھوٹتی ہے وہاں وہ تقویٰ و صلاح کی تریاق مہیا کرتی ہے غرض خلافت کیا ہے؟ سراپا برکت و خیر، سراسر عدل و انصاف اور یہی جوہر اسلام کی تعبیر کی بنا ہے۔

اجتماعیت انسانی کا قرآنی تصور ان تصریحات کے بعد ہم اصل مقصد کی طرف آتے ہیں، کہ انسانی اجتماعیت کا حقیقی موقف کیا ہے، اور یہ کس طرح کے فکری عناصر سے ترکیب پاتی ہے؟ دراصل قرآن عزیز کے نزدیک تجمع انسانی کی فکری اساس کائنات کے وہی ہمہ گیر اور غیر متزلزل قوانین ہیں، جو انسان کے علاوہ جہات ارض و سما میں ہر لحظہ جاری و ساری ہیں، اس لئے یہ اصول اجتماعیت ازلی و ابدی ہیں، لیکن ان کی خارجی اور عملی تشکیل کی ابتدا حضرت آدم کی پیدائش سے ہوتی ہے، جب کہ ان کو پیدا کرنے کے بعد منصب خلافت سے نوازا گیا یعنی حضرت آدم کو خلافت کا جلیل القدر منصب عطا ہونا سلسلۂ اجتماعیت کی پہلی کڑی ہے اور خلافت کا مفہوم ہی اس خاص نوعیت کے تصور اجتماع کی نشان دہی کر رہا ہے، کیونکہ خلافت کا لفظ انسانوں کی سیاسی و تمدنی اور اجتماعی حیثیت و حدانی پر دلالت کرتا ہے، اس لئے یہ کہنا غلط ہے کہ پہلے پہل انسان میں اجتماعیت کا شعور ہی موجود نہ تھا، اور وہ پہاڑ کے غاروں میں رہتا، درختوں کے پتوں پر گذارا کرتا تھا۔ قرآن حکیم جو اس کائنات میں آخری صحیفۂ فطرت ہے اس کا دعویٰ یہ ہے کہ انسان اول ہی کو اجتماعیت کے بنیادی اصول بتا دئے گئے تھے، اور پھر تاریخ کے ہر دور میں ان ہمہ گیر اصول اجتماع میں وسعت پیدا ہوتی چلی گئی، اور ان کی خارجی تشکیلات بڑھتی پھیلتی اور بدلتی رہی ہیں۔

غرض قرآن حکیم کے نزدیک وحدتِ انسانیت یا اجتماعیت کی اساس ایک ایسا پاکیزہ اور مقدس اخلاقی نصب العین ہے، جو رائی دنیا سے دنیا اور دین ہے، اور وہ اس تصور و اجتماع کی بنیادوں پر انسانی سوسائٹی کی تعمیر کرنا چاہتا ہے، اور یہی وہ تصور حیات ہے جس سے انسان کو پہلے دن ہی آگاہ

کر دیا گیا تھا لیکن جہان تک کہ مادی نظریہ ہائے اجتماع کا تعلق ہے، وہ انسانون کی عقل خود بین کی نیت کوششون، و مفاد پرستیون کی پیداوار ہین، اور سراسر غیر فطری ہین لیکن سطور بالا مین جس تصور اجتماع کا ذکر ہوا ہے، وہ دینی تصور اجتماع ہے، اور اسکی اساس عالمگیر اور محیط کل اصول حیات ہین جو کسی مخصوص نسل و قبیلہ یا قوم و وطن سے اختصاص نہین رکھتے اور اس کے برعکس انسانی تصورات اجتماع قبیلہ و نسب اور قوم و وطن کی حد بندی پر مبنی ہین اور نسل انسانی کو بے شمار چھوٹے چھوٹے نسلی طبقوں اور وطنی قومیتون مین تقسیم کرنیوالے ہین

یہ بات ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اجتماعیت کا احساس انسان کا طبعی اور نفسیاتی احساس ہے، اور کارگہ عالم مین انسان کو زندگی کے مرحلہ اول ہی مین اس سے دوچار ہونا پڑتا ہے یعنی جب وہ شکم مادر سے باہر آتا ہے، تو اسی وقت سے اجتماعیت کا جذبہ اپنا کام شروع کر دیتا ہے، اور پھر وہ جس قدر نشو و نما کے مرحلے طے کرتا چلا جاتا ہے، اسی قدر اس کے علائق مین توسیع ہوتی چلی جاتی ہے، یہان تک کہ وہ ہوش سنبھالتے ہی اپنے آپ کو ایک وسیع تر حلقۂ علائق مین جکڑا ہوا پاتا ہے، اور یہان پہنچکر اس کو گرد و پیش کے اجتماعی اور تمدنی تصورات سے سابقہ پڑتا ہے، اور وہ یا تو ایک ہمہ گیر رشتۂ اخوت دینی مین منسلک ہو جاتا ہے اور یا وہ محدود اور سطحی علائق کے تنگ دائرہ مین سمٹ کر رہ جاتا ہے،

انسانون کے بنائے ہوئے تصور اجتماع کو مختلف ارتقائی مراحل سے گذرنا پڑتا ہے، چنانچہ پہلے پہل انسان نے دینی تصور اجتماع کے علی الرغم قبیلہ و نسب کو اجتماعی تعلقات کا محور قرار دیا، اور رفتہ رفتہ تعلقات مین وسعت پیدا ہوتی گئی، اور پھر انسان نے وطن اور وطنی قومیت (نیشنلزم) کو اپنا منتہائے مقصود بنا لیا، اور یہان پہنچ کر اس کی حرکت رک گئی ہے، اور آج وطنی قومیت نے اُس کے دل و دماغ پر اس طرح تسلط جما لیا ہے، کہ اس کی نظر مین انسانیت کا مقدس رشتہ کوئی حقیقت ہی نہین رکھتا، ایک قوم دوسری قوم پر درندون کی طرح چل پڑتی ہے، اس کے گوشت سے شکم پر کرتی، اُس کی ہڈیون سے اپنے مستقبل کی سر بفلک عمارت تعمیر کرتی اور اُس کے خون سے اس عمارت کے گل بوٹے اور نقش و نگار بناتی ہے، غرض اس نا ارجمند

کے ہاتھوں آج انسانیت بستر مرگ پر کراہ رہی ہے،

فکر انسان بت پرستے بت گرے — ہر زمان در جستجوے پیکرے

باز طرح آذری انداخت است — تازہ تر پروردگارے ساخت است

کاید از خون ریختن اندر طرب — نام او رنگ است ہم ملک و نسب

آدمیت کشتہ شد چون گوسفند — پیش پاے این بت نا ارجمند

مغرب کی نشاۃ ثانیہ نے جب مذہب کے خلاف محاذ قائم کیا، اور مذہب کو ہمیشہ کے لئے خارج البلد قرار دے دیا، تو یہ ناگزیر ہوا کہ اس خلا کو کسی دوسرے تصور زندگی سے پُر کیا جائے، یعنی کوئی ایسا تصور زندگی ڈھونڈھ نکالا جائے، جو قوم کے سیاسی اور معاشی ارتقار کے لئے ایک قوی تر اور مضبوط تر محرک کا کام دے سکے، لیکن اس کا انسانی ذہن گرد وپیش کے جن مخصوص طبعی حالات سے گذر رہا تھا، ان کے تقاضون نے انسان کو تہذیب حاضر کے نو تراشیدہ بت (ملک و وطن) کے آگے سرنگون کر دیا، یہ زمانہ اٹھارہویں صدی کے اوائل کا زمانہ تھا، جب کہ وطنیت ایک سیاسی عقیدہ اور مستقل تصور مملکت کی حیثیت سے منظر ظہور پر آئی، اور اس نے ماضی کے تمام اجتماعی تصورات کو کالعدم قرار دیا، اس وقت سے آج تک وطنیت کا زہرناک تصور اقوام حاضرہ کی سیاست و معیشت کی روح رواں ہے اور وطنی قومیتون کی سرفرازی کا مضبوط محرک بنا ہوا ہے لیکن اس کے ساتھ اُس نے انسانی قدرون کو جس طرح رسوا کیا ہے، اس کی چند مثالین گذشتہ عالمگیر جنگون اور تقسیم ہند کے بعد کی وحشتناکیون مین دیکھی جا سکتی ہین،

دراصل وطن سے انسان کو ایک نسبت ہوتی ہے اور وہ نفسیاتی طور پر اُس سے محبت کرتا ہے اُسکے ریگ زارون، بیابانون، کہسارون، دریاؤن اور چمنستانون مین اس کے لئے ایک مخصوص کشش ہوتی ہے، لیکن انسان کی پاکیزہ اور آزاد فطرت اس بات سے ابا کرتی ہے کہ وہ زمین کے کسی خطہ کو جو محض اُسکی رہائش اور تمتع کے لئے بنایا گیا ہے، اپنا کعبۂ مقصود بنا لے، آخر انسان کو اسی لئے تو نہین پیدا کیا گیا کہ وہ

زمین کی پستیوں میں، اپنے آپ کو گم کر دے ؟ حضرتِ اقبال نے اس ضمن میں کیا خوب نکتہ بیان کیا کہ

با وطن اہلِ وطن را نسبتے است　　زانکہ از خاکش طلوعِ ملتے است

اندرین نسبت اگر داری نظر　　نکتہ بینی ز مو باریک تر

گرچہ از مشرق بر آید آفتاب　　با تجلیہائے شوخ و بے حجاب

در تب و تاب است از سوزِ درون　　تا ز قیدِ شرق و غرب آید برون

بر دمد از مشرقِ خود جلوہ مست　　تا ہمہ آفاق را آرد بدست

فطرتش از مشرق و مغرب بری است

گرچہ او از روے نسبت خاوری است

مملکت کا جدید تصور اس نئی وطنی شریعت میں قوم اور مملکت ایک ہی معنوں کے دو عنوان ہیں یعنی جب ایک ملک میں بسنے والے انسان ایک سیاسی وحدت کی صورت اختیار کر لیتے ہیں تو اُن کی اس ہیئت اجتماعیہ کو مملکت کا نام دیا جاتا ہے، اور دوسری حیثیت سے اسی کو قوم (نیشن) بھی کہا جاتا ہے گویا مملکت ہو یا قوم اس کا بنیادی اور حقیقی محرک وجود وطنیت کا تصور ہے، اور عہد حاضر میں افراد انسانی کے باہم اشتراک و تعاون کی بہترین صورت یہ ہے کہ قومیت اور اسٹیٹ کا مصداق الگ الگ نہ ہو، ایک ملک کے رہنے والے لوگ خواہ عقیدہ و مسلک کے لحاظ سے کتنے ہی گروہوں میں بٹے ہوئے ہوں لیکن اس لحاظ سے کہ وہ ایک آزاد خطہ زمین میں اپنی جداگانہ سیاسی تنظیم رکھتے ہیں، اُن کی اس ہیئت اجتماعیہ سیاسیہ کو مملکت (اسٹیٹ) سے موسوم کیا جاتا ہے، اور چونکہ ان میں اتحاد وطن کا رشتہ موجود ہے، اس لئے وہ ایک مستقل اور جداگانہ قوم ہیں، رہا عقیدہ اور مسلک کا معاملہ تو وہ ان کی پرائیوٹ زندگی سے تعلق رکھتا ہے اور اُن کی قومیت پر قطعًا اثر انداز نہیں ہوتا، گویا مملکت کا جدید تصور مذہب اور اخلاق کو نہ صرف ثانوی درجہ دیتا ہے بلکہ انسانوں کی اجتماعی زندگی کے ہنگاموں سے دور اور گھر کی چار دیواری یا عبادت گاہوں

مین محدود رکھنا چاہتا ہے، اور جہان تک ریاست و مملکت کا تعلق ہے، وہ ایک با اقتدار اور معصوم سیاسی ادارہ ہے، جو بلا شرکت غیرے مقنن بھی ہے، اور اخلاق و قدر دین کا خالق بھی ہے، اس کو کسی مذہب اور ضابطہ اخلاق کی ضرورت نہین ہے، بلکہ وہ بذات خود ایک دین و مذہب ہے، جس چیز کو یہ صواب کہے وہ صواب ہے اور جس کو یہ خطا کہے وہ خطا ہے۔

دین و سیاست اور مذہب و ریاست کی تفریق جدید تصور تو ہے، بہت پہلے سولھوین صدی مین منظر شہود پر آچکی تھی، اور اس کا سہرا مشہور فلسفی میکیاولی کے سر ہے، اس شخص نے سب سے پہلے مملکت کو مذہب و اخلاق کی گرفت سے آزاد کیا، اور بالکل ایک نئے تصور مملکت کی طرح ڈالی یعنی اس نے بتایا کہ مقصود بالذات مملکت کا عروج و ارتقاء اور اس کی خوشحالی ہے، اس راہ مین جو چیز بھی حائل ہو اس کو مٹا دینا چاہئے خواہ وہ مذہب و اخلاق ہی کیون نہ ہو، ہان اگر مذہب و اخلاق سے مملکت کی توسیع اور قوت و اقتدار کے حصول مین مدد مل سکتی ہو تو محض اس غرض کے لئے مذہب کے نام سے استفادہ کیا جا سکتا ہے لیکن یہ محض ایک فریب کارانہ نقطۂ نظر اور سیاسی حکمت عملی (پولیٹکل سٹنٹ) کے طور پر ہی ہونا چاہئے، ورنہ مقصود بالذات مملکت ہی کو تصور کیا جائے، بلکہ اس کے نزدیک سیاسی مقصد کے حصول کے لئے بڑے سے بڑا جرم اور بڑی سے بڑی بداخلاقی بھی عین ثواب ہے، جب کہ اس سے مملکت کو کسی طرح کا فائدہ پہنچ سکتا ہو، اور جہان کسی اخلاقی مقصد کی خاطر مملکت کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو، وہان یہ اخلاقی مقصد اس کے نزدیک ناقابل معافی گناہ ہے۔

مغرب کی تاریک فضا مین جب یہ نئی آواز گونجی تو جو لوگ اہل کلیسا کی کارستانیون، غرض پرستیون اور اوہام طرازیون سے سخت نالان تھے، اور کلیسا و شاہی کے باہمی تصادم سے خطرناک ذہنی کشمکش مین مبتلا تھے، انھون نے میکیاولی کے اس نئے دین کو بہت آسانی سے قبول کر لیا، بالخصوص وقت کے بادشاہون نے اس سے جی بھر کر فائدہ اٹھایا، اور کلیسا کا رہا سہا اقتدار بھی ختم ہونے لگا، مگر کچھ زیادہ عرصہ نہ گذرنے

پایا تھا کہ مطلق العنان حکمرانوں کے مظالم کا رد عمل عوامی طبقوں کی ذہنی بیداری اور سیاسی شعور کی صورت میں نمودار ہوا، جب اہل مغرب کے انقلاب پسندوں نے ایک جدید سیاسی جمہوری اور مشتق انقلاب برپا کرنے کی ٹھان لی، بیشتر مغربی ممالک میں انقلابی تحریکیں اٹھیں، ہنگامے برپا ہوئے، اور عوامی طبقوں اور حکمرانوں میں شدید تصادم رونما ہوا، بالآخر عوامی طاقت کے آگے مطلق العنان حکمرانوں کو سرنگوں ہونا پڑا، اور انھوں نے بیٹ بٹا کر مسند اقتدار عوام کے حوالے کر دی، یہ دور اہل مغرب کی نشأۃ ثانیہ کا تابناک اور انقلاب انگیز دور تصور کیا گیا ہے، جب کہ مغرب میں جمہوری اور پارلیمانی طرز کی حکومتیں قائم ہوئیں، اور قدیم ملکی اور سیاسی تصورات کی جگہ نئے نئے سیاسی اور معاشی نظریوں (تھیوریز) نے جنم لیا، چنانچہ وطنی قومیت اور مملکت کا جدید تصور اسی عہد کی پیداوار ہے، مگر اس انقلاب نے اہل مغرب کو جو کچھ دیا، وہ اتنا ہی ہے کہ انھوں نے ملک و حکومت کی بنیادوں پر جدید فلسفۂ اجتماع (سوشل فلاسفی) کی داغ بیل ڈالی، اور اس طرح ہمہ گیر رشتہ اخوتِ انسانی کو تار تار کر کے رکھ دیا، چنانچہ اب وطن ہی ان کا دین و ایمان بن گیا، اور اُن کے جینے مرنے صلح و جنگ اور تمام اعمال زندگی کا یہی آخری مقصد پایا،

یورپ از شمشیر خود بسمل فتاد زیر گردوں رسم لادینی نہاد

یعنی جہاں تک مذہب و اخلاق کا تعلق ہے، اس میں میکیاولی کا تصور ہی کار فرما تھا، چنانچہ عہد جدید کے یورپ میں جو علماء و مفکرین پیدا ہوئے، ان میں سے بیشتر حضرات نے اس لادینی تصور مملکت کو سراہا، بلکہ اُن کے جدید نظریوں نے اس کو اور زیادہ تقویت دی، اور اصول انسانیت کا احترام پہلے سے بھی کم ہو تا گیا، چنانچہ جرمنی کا مایۂ ناز فلسفی ہیگل مملکت کا اتنا دلدادہ تھا، کہ اُس نے اسٹیٹ کو ایک مقدس اور معصوم سیاسی ادارہ قرار دیا، یعنی اس نے اس بات کو تسلیم کیا کہ ریاست ہر چیز سے بالاتر ہے، یہاں تک کہ مذہب پر بھی حاوی ہے، اور اخلاق کے لئے ماخذ و منبع ہے، گویا مملکت کسی چیز کی تابع نہیں بلکہ باقی تمام چیزیں مملکت کی تابع ہیں،

ہیگل کے تصورِ مملکت نے مذہب و اخلاق کی روحانی برتری پر چوٹ لگائی تھی، وہی کیا کم تھی کہ ڈارون کے نظریۂ کائنات نے اس کے جسدِ نیم جان پر ایسی ضرب رسید کی کہ مغرب میں مذہب و خدا کا تصور محض عجوبۂ روزگار یا دگار بن کے رہ گیا، اور اس کے بعد اس جدید مملکتی تصور نے ہمہ گیر نوعیت اختیار کر لی، چنانچہ کارل مارکس اور اینجلز جو دنیائے جدید کے خالق مانے جاتے ہیں، ہیگل اور ڈارون کے نظریات (تھیوریز) کی بنیادوں پر ہی اشتراکی فلسفۂ اجتماع کی عمارت کھڑی کی یعنی مارکس کا نظریۂ تاریخ دراصل ڈارون کے نظریۂ ارتقاء کا غماز ہے، اور اس کا نظریۂ مادی جدلیت درحقیقت ہیگل کی جدلیت ہی کی مسخ شدہ صورت ہے، لیکن تعجب ہے کہ جس شخص نے تمام تر دوسروں کے دماغی کارناموں سے استفادہ کرکے ایک عجیب و غریب فلسفۂ زندگی مرتب کر ڈالا آج اس کو دنیائے انسانیت کا خدا تصور کیا جا رہا ہے، اور یہ نہیں دیکھا جاتا کہ یہ غریب تو خود دوسروں کے آستانۂ علم و دانش کا بھکاری ہے،

بہرحال فلسفۂ اشتراکیت کا ذہنی پس منظر یہ رہی ہے جس کی ابتدا سولھویں صدی میں ہوئی تھی، لیکن اس نے اشتراکی سوسائٹی اور مملکت کی عظمت و تقدس کو اور بھی چار چاند لگا دیئے اور خدا و مذہب کو اشتراکی مملکت سے ہمیشہ کے لئے جلاوطن کر دیا، چنانچہ کارل مارکس کے نزدیک مذہب و خدا کا تصور محض ایک فریب ہے، سرمایہ دارانہ ذہن کی اُپج ہے جس کو عوامی طبقوں کی دولت و عزت کا شکار کرنے کے لئے بطور ہتھکنڈے کے استعمال کیا جاتا رہا ہے، اور اخلاق اس کے نزدیک کوئی مستقل بالذات حیثیت نہیں رکھتے، بلکہ ہر لمحہ بدلنے والی چیز ہے، خیر و شر اور صواب و خطا کا معیار ان کے نزدیک یہ ہے کہ جو چیز اشتراکی ریاست و سوسائٹی کی فلاح و تعمیر پر منتج ہو، وہ خیر اور صواب ہے، اور جو اس کی تخریب و فساد پر منتج ہو وہ شر اور خطا ہے،

لینن کہتا ہے کہ ہماری سوسائٹی کسی ایسے نظامِ اخلاق کو نہیں مانتی جو معاشرہ سے باہر کسی فوق الفطر طاقت کا بنایا ہوا ہو، اشتراکیت کے نزدیک ایسا نظامِ فکر و اخلاق سراسر فریب ہے،

نیز وہ کہتا ہے کہ قدیم اجتماعی نظام کے استیصال اور محنت کش طبقون کی تنظیم کی راہ مین ہر چیز اخلاقاً درست ہے، ہم جب سرمایہ دارون سے لڑین گے، تو اس جنگ مین جھوٹ اور مکر و فریب کے ہتھیار استعمال کرنا ضروری ہین،

غرض زمانۂ حال کا جدید تصور مملکت اور نظریۂ اجتماع جن فکری عناصر سے ترکیب پاتا ہے، ان کے سرسری تجزیہ سے آپ اس نتیجہ پر پہنچین گے کہ اقوام حاضرہ آج جس راستہ پر گامزن ہین، وہ اُن کو کشمکش و اضطراب اور ہلاکت و بربادی کے اُس اتھاہ سمندر کی پہنائیون کی طرف لئے جارہا ہے، جہان سے اُن کے بچ نکلنے کی کوئی صورت نہین ہے،

خود ہی انصاف کیجئے کہ جہان ہمہ گیر اصول انسانیت اور آفاق گیر اقدار حیات کو اوہام و خرافات تصور کیا جاتا ہو، جہان احترام آدمیت کا معصوم جذبہ قطعی ناپید ہو، جہان ملک و وطن کے بت کو خوش کرنے کے لئے ہزارون ناکردہ گناہ انسانون کے خون ناحق سے ہولی کھیلی جارہی ہو، جہان وحشت و درندگی کو قابل فخر کارنامہ، اور معصوم بچون، ضعیفون اور عورتون تک کو انتہائی بے دردی سے ذبح کرنے کو عین ثواب تصور کیا جاتا ہو، کیا وہان انسانیت کو امن و عافیت کا ایک لمحہ بھی میسر آسکتا ہے ؟

بس یہ ہے کہ عالم انسانی کی روز افزون کشمکش اور زمانۂ حاضر کے درندہ صفت انسانون کی وحشت و بہیمیت نے ہمارے اس یقین و ایمان کو محکم تر بنا دیا ہے کہ مستقل اور دوامی اقدار حیات اور ہمہ گیر اخوت انسانی کے گہرے اور پائدار احساس کے سوا انسانیت کی فلاح و نجات کی کوئی دوسری صورت ممکن ہی نہین ہے،

اَلَّذِيْنَ آمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْا   جو لوگ ایمان لائے اور انھون

اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ   نے اپنے ایمان کو ظلم سے آلودہ

لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ   نہین کیا، اُن کے لئے ہی امن

مُهْتَدُوْنَ ۔ (الانعام) کی زندگی ہے، اور وہی لوگ ہدایت پانے والے ہیں،

ان ہمہ گیر اصولِ انسانیت کے سوا جو کچھ ہے، وہ ظن وتخمین اور ہوائے نفس کی تخلیق ہے، اور اس کا رحیات کی الجھنیں کم ہونے کے بجائے بڑھتی ہی چلی جائیں گی، ؎

ع اے را ہبر ہو ظن وتخمین تو زبون کار حیات

مولینا عبدالملک بنابانی محدّث

از

ڈاکٹر سید باقر علی صاحب ترمذی استاذ شعبۂ عربی اسمٰعیل کالج بمبئی

مولینا سید سلیمان صاحب ندوی نے عرصہ ہوا ہندوستان کے محدثین کرام کے تذکرہ کا سلسلہ شروع کیا تھا، لیکن چند کڑیوں کے بعد یہ اہم سلسلہ کسی وجہ سے جاری نہ رکھا جا سکا، اس کے بعد معارف مین ہندوستان کے محدثین پر چند اور مضامین شائع ہوئے، ذیل کی سطرین اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہین،

ہندوستان مین گجرات وہ خوش قسمت صوبہ ہے، جہان علم حدیث کی اشاعت سب سے پہلے ہوئی، عام طور سے ہندوستان مین علم حدیث کی اشاعت کی ابتدا حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی طرف منسوب کی جاتی ہے، حضرت موصوف کی جلالت شان اور حدیث نبوی کی خدمات سے کون انکار کر سکتا ہے، لیکن تاریخی اعتبار سے ہندوستان مین یہ علم شریف پہلے پہل صوبۂ گجرات مین اشاعت پذیر ہوا، چنانچہ علامہ سخاوی کے دو شاگرد شیخ وجیہ الدین محمد بن محمد المالکی (متوفی سنہ ۹۲۹ھ) اور شیخ جمال الدین محمد بحرق (متوفی سنہ ۹۳۰ھ) شیخ الاسلام زین الدین زکریا انصاری کے دو شاگرد شیخ عبدالمعطی بن الحسن باکثیر المکی (متوفی سنہ ۹۸۹ھ) اور شیخ شہاب الدین احمد العباسی المصری (متوفی سنہ ۹۰۲ھ) علامہ ابن حجر کے دو شاگرد شیخ محمد ابن عبداللہ الفاکہی الحنبلی اور شیخ سعید شافعی اور دیگر کئی محدثین کرام نے صوبۂ گجرات کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے سرفراز کیا، اور احمد آباد مین مدارس کھولے، اس کے علاوہ خود گجرات کے بے شمار علماء کو احادیث نبویہ کا بڑا ذوق تھا، حضرات صوفیہ نے اس کی تحصیل مین والہانہ انہماک کا ثبوت دیا، اور دربار کے اعلیٰ

عہدہ داروں نے اس علم شریف کے حصول کے لئے بوریا نشینوں کا تلمذ اپنے لئے باعث نجات سمجھا، علم حدیث کی خدمت مین بعض خاندانون نے نمایان حصہ لیا، ان مین سے ایک نبیانیون کا خاندان ہے، اس خاندان نے بہت سے علما پیدا کئے، جو آسمان علم کے درخشان ستارے ثابت ہوئے، اور افتا و قضا کے جلیل القدر مناصب پشتون تک اُن کے خاندان مین رہے، اور اس خاندان کے باکمال افراد نے نہ صرف ملکی انتظام مین نام پیدا کیا، بلکہ علوم و فنون کی سرپرستی، علمار کی قدردانی، صلحار و اتقیار سے عقیدت و نیازمندی اور اپنے ذاتی علمی کمالات کا نقش تاریخ کے صفحات مین چھوڑا، نبیانیون کی اصل کے متعلق جمعات شاہی جلد چہارم (قلمی) مین اس طرح لکھا ہے:-

"نبیان ولایتی ست، ہمین خراسان و ملتان و این جماعت کہ بہ ملک گجرات بہ نبیانیان مشہور اند از انجا آمدہ اند و ایشان از حضرت عبداللہ بن عباس اند"

ہمین یہ معلوم نہین ہو سکا کہ اس خاندان کے بزرگون نے کس زمانہ سے گجرات مین سکونت اختیار کی لیکن اس کے علمار مین شیخ صدر الدین کا زمانہ سب سے مقدم معلوم ہوتا ہے، شیخ صدر الدین نے کئی کتابین تصنیف کین، جن کو انھون نے شاہانِ گجرات کے نام سے معنون کیا، شیخ مذکور کو عربی ادب اور صرف و نحو سے خاص لگاؤ تھا،

قصیدۃ البردہ، قصیدہ کعب ابن زہیر قصیدہ لامیہ (قاضی عبد المقتدر) وغیرہ پر انھون نے حواشی لکھے ہین، نحو کی مشہور کتاب الوافی کی شرح الکافی انھی کی ہے، ہندوستان مین غالباً اس کتاب کی سب سے پہلی شرح یہی ہے، شیخ نے قرآن مجید کی ایک تفسیر بھی لکھی جس کا نام تفسیر بحر المعانی رکھا، وہ غالباً آٹھوین صدی کے آخر اور نوین صدی کے ابتدائی زمانہ مین بقید حیات تھے،

شیخ مہاء الدین نبیانی غالباً شیخ صدر الدین کے بیٹے تھے، انھین علم حدیث تصوف اور صرف و نحو سے بہت دلچسپی تھی، علم النحو مین اُن کے مرتبہ کا اس واقعہ سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ

جب مشہور مصری عالم شیخ بدرالدین دمامینی احمد آباد مین قیام پذیر تھے، اس وقت ان مین اور شیخ منہاج مین چند نحوی مسلون کے متعلق بحث چھڑ گئی اور دمامینی کو اُن کے رد مین ایک کتاب الفتح الربانی فی الرد علی البنبانی لکھنی پڑی، اُن کی تصانیف کی تعداد ۸۰ سے متجاوز تھی، لیکن حدیث کی تالیفات مین سے صرف بخاری اور مسلم کی شرحون کے نام ہم تک پہنچے ہین،

شیخ فیض اللہ بن زین العابدین بنبانی کا ہمین شکر گذار ہونا چاہئے کہ انکی مجمع النوادر سے اکثر حالات ماخوذ ہین، شیخ فیض اللہ گجرات کے مشہور سلطان محمود بیگڑے، (۹۱۷ء-۸۶۳ھ) کے خزانچی تھے شیخ نے قرآن مجید کی تفسیر دستور الحفاظ اسی سلطان کے نام سے معنون کی ہے،

اس کے علاوہ اُن کی تاریخ صدر جہان[1] اور مجمع النوادر نہایت مفید تصانیف ہین، اتفاق سے یہ تینون نوادر دست برد زمانہ کے ہاتھون برباد ہونے سے بچ گئے ہین،

اسی خاندان کی ایک مایۂ ناز ہستی شیخ عبدالعزیز المعروف بہ عبدالملک بنبانی ہے، ان کا سلسلۂ نسب حضرت عبداللہ بن عباس سے ملتا ہے جس کی چند کڑیان حسب ذیل ہین،

شیخ عبدالملک بن شیخ محمود بن شیخ خضر بن شیخ نصیرالدین بن شیخ برہان الدین بن شیخ خضر بن شیخ عیسیٰ بن شیخ حسن بن شیخ الیاس،

شیخ عبدالملک زین البلاد احمد آباد مین پیدا ہوئے، اور وہین سنہ ۹۷۰ھ کے قریب قریب انتقال فرمایا، خاندان کے اور بزرگون کی طرح شیخ عبدالملک بھی خانوادۂ سہروردیہ سے منسلک تھے، غالبًا اُنہی کی خانقاہ مین تعلیم پائی ہوگی، حدیث اپنے بڑے بھائی شیخ قطب الدین بنبانی سے پڑھی جن کو

---

[1] مختصر نوٹ کے لئے دیکھو روداد کل ہند تاریخ کانفرنس اجلاس بمبئی گجرات کی چند تاریخی کتابون کی تعیین

[2] اس کتاب پر پروفیسر ڈاکٹر محمد اقبال صاحب نے ایک پرمغز مقالہ سپرد قلم کیا ہے، جو لاہور کے اورنٹیل کالج میگزین بابت اگست سنہ ۱۹۳۹ء مین شائع ہوا ہے،

مشہور مصری عالم شیخ شمس الدین سخاوی سے سند حاصل کی تھی، حدیث مین مولانا عبدالملک کے ممتاز شاگردون مین مولانا کمال محمد عباسی (مفتی اجین مالوہ) کا نام خاص طور سے قابلِ ذکر ہے، شیخ عبدالملک نے تفسیر و حدیث مین کمال حاصل کیا، اور استاذ نا کے رتبہ عالی پر فائز ہوئے، انھین صحیح بخاری ازبر تھی، ہمیشہ مسجد اور حجرے مین اوراد و وظائف مین مشغول رہتے، توکل اور تجرید مین آپ کی مثال نہ تھی تمام علوم کا زبانی درس دیا کرتے تھے؛ افسوس ہے کہ مولانا جیسے باکمال محدث کے متعلق ہماری معلومات بہت کم ہین، اُن کے ایک فرزند شیخ عبداللطیف (متوفی ۹۱۵ھ) نے مشارق الانوار کی شرح مبارق الازھار لکھی ہے، اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ بھروچ کے قاضی صاحب سید نورالدین احمد حسین کے ذاتی کتب خانہ مین موجود تھا[1] شیخ خلیل محمد عباسی شیخ عبداللطیف کے صاحبزادے ہین؛ والد سے علم حدیث حاصل کیا، احمد آباد کے بخاریون کے ایک مشہور عالم اور صوفی سید محمد مقبول عالم[2] انہی سے روایت کرتے ہین، چنانچہ علامہ نورالدین (متوفی ۱۱۵۵ھ) نور القاری فی شرح البخاری مین فرماتے ہین :-

" وبہ قال مولانا مقبول عالم حدثنی مولانا خلیل محمد العباسی البنانی حدثنی والدی عبداللطیف حدثنی والدی عبد الملک حدثنی محمد المدعو بجار اللہ عن والدہ الخ

ذیل مین ہم شیخ عبدالملک بنبانی محدث گجراتی کی اسناد حدیث پیش کرتے ہین، یہ اسناد شیخ رشید الدین چشتی کی کتاب مخبر الاولیاء سے لی گئی ہین؛ اس کتاب کا ایک نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بمبئی

---

[1] ہم قاضی سید نورالدین صاحب کے تہ دل سے شکر گذار ہین، انھون نے از راہ کرم مبارق الازہار اور نور القاری کے چند اقتباسات نقل کرکے ارسال فرمائے

[2] مختصر ترجمہ کے لئے دیکھو مرآت احمدی خاتمہ ص ۲۰، طبع بمبئی،

کے کتب خانہ مین موجود ہے، چونکہ سلسلۂ اسناد مین زیادہ تر نام ہی ہین، اس لئے ہم عربی متن کے نقل کرنے پر ہی اکتفا کرتے ہین،

صحیح بخاری | انہ یروی من الشیخ محمد المدعو بعبد اللہ عن والدہ زین الدین عبد العزیز عن شہاب الدین ابو الفضل احمد بن علی بن حجر عن محمد بن محمد الہاشمی عن قاضی القضاۃ محب الدین محمد بن محمد بن محمد الطبری عن الشیخ ابی الفتح المراغی عن شہاب الدین ابی العباس احمد بن ابی طالب بن ابی نعیم نعمۃ بن حسن بن علی بن بیان بن شحمۃ الحجازی الدمشقی الصالحی عن سراج الدین ابی عبد اللہ الحسین بن المبارک بن محمد بن یحیی الزبیدی عن ابی الوقت عبد الاول بن عیسی بن شعیب بن اسحاق بن ابراہیم الصوفی السجزی ثم الہروی عن جمال الاسلام ابی الحسن عبد الرحمن بن محمد بن المظفر بن محمد بن داؤد بن احمد بن معاذ بن سہل بن الحکم الداؤدی عن ابی محمد عبد اللہ بن احمد بن حمویہ بن احمد بن یوسف بن اعین الحموی السرخسی عن ابی عبد اللہ محمد بن یوسف بن مطر بن صالح بن بشر بن ابراہیم البخاری الفربری عن محمد بن اسمٰعیل البخاری رحمہم اللہ،

صحیح مسلم | انہ یروی من محمد المدعو بعبد اللہ عن ابی العباس احمد بن ابی طالب الصالحی المذکور فی سند صحیح البخاری وانہ یروی عن محمد بن ابی السعادۃ الحاکی قال اخبرنا الحافظ ابو القاسم عبد الرحمن بن محمد بن اسحق بن مندۃ الاصفہانی عن الحافظ ابی بکر محمد بن عبد اللہ الجوزقی قال ابو حاتم مکی بن عبد اللہ التمیمی قال اخبرنا الامام ابو الحسین مسلم رحمہ اللہ،

سنن ابی داؤد | انہ یروی من محمد المدعو بجار اللہ قال اخبرنی والدی عز الدین عبد العزیز سماعًا قال اخبرنا ابو العباس بن ابی بکر الواسطی و ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن کامل الترمذی عن الخطیب ابی الفتح محمد بن محمد المندری قال اخبرنا ابو الفضل عبد الرحمٰن بن یوسف بن یحیی الموصلی سماعًا قال اخبرنا ابو الفتح المفلح الدین بن احمد الدومی وابو النصر ابراھیم بن محمد الکرخی سماعًا عن المسند ابی طاھر محمد بن محمد بن عبد اللطیف قال انبأتنا ام عبد زینب ابنۃ احمد بن عبد الرحیم المقدسی عن ابی القاسم بن الحاسب قال حدثنی الحافظ ابو الطاھر احمد بن محمد السلفی اذنًا قال کتب ابو جعفر العبادانی من البصرۃ قال اخبرنی القاضی ابو عمر القاسم بن جعفر بن عبد الواحد الھاشمی قال اخبرنا ابو علی محمد بن احمد بن عمر اللؤلؤی، قال اخبرنا الامام ابو داؤد السجستانی رحمہم اللہ تعالےٰ

سنن الترمذی | انہ یروی من الشیخ محمد المدعو بجار اللہ عن والدہ عز الدین عبد العزیز قال اخبرنی شیخ الحنفیۃ ابن الدین یحیی بن محمد القاھری قال اخبرتنا الاصلیۃ ام محمد سارۃ ابنۃ عمر الحموی قال أنبأنا الصلاح عمر بن الحسین المراغی قال اخبرنا الفخر ابو الحسن علی بن احمد البخاری المقدسی قال اخبرنا ابو الفتح عبد الملک بن عبد اللہ الکرخی سماعًا قال أخبرنا ابو عامر محمود بن قاسم الأزدی قال أخبرنا ابو العباس احمد بن محمد بن احمد بن محبوب المحبوبی قال اخبرنا الامام ابو عیسٰی محمد بن عیسٰی الترمذی رحمہم اللہ،

سنن نسائی | انہ یروی من محمد المدعو بجار اللہ عن والدہ عز الدین عبد العزیز قال اخبرنا الحافظ تقی الدین محمد بن علوی المالکی اذنًا قال اخبرنا قاضی القضاۃ ابن زین الدین ابی بکر بن الحسین المراغی المدنی قال اخبرنا المسند برھان الدین

ابراهیم بن محمد الدمشقی المؤذن سماعاً قال اخبرنا مسند الدنیا شهاب ابو العباس احمد بن ابی طالب، قال أخبرنا ابو طالب عبدُاللطیف بن محمد قال اخبرنی ابوزرعہ طاهر بن محمد بن طاهر المقدسی سماعًا قال اخبرنا محمد عبد الرحمٰن سماعًا قالَ أخبرنا ابو النصر احمد بن الحسین بن محمد الدینوری قال حدثنی ابو بکر احمد بن محمد بن السحیق السّنی قال حدثنی ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب بن علی النسائی،

سنن ابن ماجہ | انہ یروی محمد الصرعو بجار اللہ عن والدہ عز الدین عبد العزیز قال أخبرنا الشیخان الحافظان تقی الدین محمد علوی المکی و قاضی القضاۃ شہاب الدین احمد بن علی بن حجر اذناً قال البُرهان ابراهیم بن صدیق الدمشقی سماعاً، قال اخبرنا مسند الدنیا ابو العباس احمد بن ابی طالب الصالحی إذناً قال اخبرنا ابو محمد عبد اللطیف بن محمد بن علی قال اخبرنا ابو منصور محمد بن الحسین القزوینی سماعاً قال اخبرنا ابو طلحۃ القاسم بن المنذر الخطیب قال اخبرنا ابو الحسن علی بن ابراهیم بن العطار قال اخبرنا الامام ابو عبد اللہ محمد بن یزید القزوینی المعروف بابن ماجہ۔

موطا امام مالک | یرویہ بن محمد المدعو بجار اللہ عن والدہ عز الدین عبد العزیز عن شہاب الدین ابی الفضل احمد بن علی بن حجر قال اخبرنا العلامہ برهان ابراهیم بن احمد بن الواحد قال أخبرنا المسند ابو عبد اللہ محمد بن جابر بن محمد بن القاسم وادی آشی تونسی قال اخبرنا ابو محمد ۔۔۔۔۔ عبد اللہ بن هارون القرطبی انطائی سماعاً قال اخبرنا القاضی ابو القاسم

احمد بن زید بن عبد الرحمن بن تقی قال اخبرنا ابو عبد اللہ بن فرخ الفقیہ مولیٰ محمد بن الطلاع قال اخبرنا ابو ولید یونس بن عبد اللہ بن مغیث عن ابی عیسیٰ یحییٰ بن عبد اللہ عن ابیہ عبید اللہ بن یحییٰ عن ابیہ الامام یحییٰ بن یحییٰ لیثی عن الامام مالک،

ہماری بادشاہی

ہمارے چھوٹے بچون کے نصاب مین کوئی ایسی کتاب نہ تھی جو اُن کو تیرہ سو برس کی قومی تاریخ سے باخبر کر سکے، یہ کتاب اسی ضرورت کو سامنے رکھکر لکھی گئی ہے، اس کی زبان بچون کے لائق دلچسپ اور پسندیدہ ہے، یہ ان تمام بڑی بڑی سلطنتون کی مختصر اور آسان تاریخ ہے، جو گذشتہ صدیون مین مسلمانون نے دنیا کے مختلف حصون مین قائم کین، قیمت :- ۸ر

ہندستان کی کہانی

ہندوستان کی تاریخ کا یہ چھوٹا سا رسالہ نہایت آسان اور سہل زبان مین لکھا گیا ہے تاکہ ہمارے مکتبون اور ابتدائی مدرسون کے بچے اس کو آسانی سے پڑھ اور سمجھ سکین، ضرورت ہے کہ رسالہ چھوٹے بچون کے نصاب مین شامل کیا جائے، تاکہ اُن کو معلوم ہو کہ وہ کون تھے، اور اب کیا مین'

ضخامت ۲۰ صفحے قیمت :- ۲ر

(از مولوی عبدالسلام قدوائی ندوی)

منیجر

تاریخ یمن کا ایک ورق

از

مولانا ابوالجلال صاحب ندوی

(بسلسلہ ماہ مئی سنہ ۳۰ء)

فارسٹر نے جس کتبہ میں اپنے زورِ تحریف سے حضرت ہودؑ کا نام پڑھکر اس میں نصرانیت کے جراثیم دکھانے کی کوشش کی ہے، اس کا چربہ دیکھئے،

[illegible]

یہری قرأت کے مطابق یہ ایک نظم[1] ہے جو حسب ذیل ہے،

سَمَیقُ . السّس ... وذُ یمن ...

وَشَرَح ذاکَلَہَ یُکیلا .

اکَرُ ذَوِیَ .. قَراذُ نَذِ لْ

حَیثَ بَجَ خُو سیلُ ھنَا کل

نَوَ .. ذِ یتَ شَنَہِ .. لَدُ نْ مَا ... مَثَلَنَہُ .. شُرُنَا .. حَبِ مَا .. یَیَنِ ..

یَشَرُمَا .. یرزَءُ .. مُکرذَمَا ...

قھتَا .. ذرشَیِنَا .. یلِلْ ذو ..

لِیمُنی .. یصدِءُ .. لِذْحُمیٰ ..

یَدْ .. یَنَا .. کُوُرْنَا .. رَمَیتَا ..

لِرَدْ نا .. قذ لنَا .. شرلیا .. ذَنِی وُلحُر .. شَشْ .. ذَحَرَ .. وَ .. حلتا .

شَلھُنا .. سَلَقنَا .. ذُ یقَتِہُ ..

رَنَجَمَا .. رَکفُنَا .. مِطلَنِ نَا

سکا کلنا .. زَکُوُدا .. کَنَ .. وا ..

مھرلوس ین نون نصقا سطر .

وذُ نا مرزَ نَدُ نوُ ذِ رَنا مَرْ ..

یتوکَت .. ذ ہ . ولِنُشَتِہُ ..

وخلقہ .. و مُسلَّتِ ...

---

[1] اس نظم کی صورت دیکھ کر پڑھنے میں کاتبِ حروف اپنے محترم دوست مولوی اقبال احمد صاحب سہیل کے مشورہ ون کا ممنون ہے،

ومنقل .. کسّتہ صن .. وَذِہٗ ..
وَکَلّ ذکي

وذْ نوش رضَا حبَشَّنا . شِبِی

وشہ ذشْن وَذَرَتی تنو، ذکوُ ذِ وَحْمِیَر ماکھرَلْ ،
وَملکٗ وَحِیَرمَا .. شُقّ .. لہ .. وشح مرنو .. شَرَحَ ذو .. رخہ ..
وَتَخَلْ تَنُوذُ وشر ذ .. یا ..
ستا مشتو وخرق تمر،

اس کو نظم کی صورت مین لکھنے کی غرض سے ہم نے سطر سطر کا اتباع نہین کیا، اصل کتبہ کی سطر جس لفظ سے شروع ہوتی ہے، اس پر نمبر لگا دیا گیا ہے، قرأت مین کوئی نقش محذوف نہین ہے، تشدید، تنوین اور تطویل حرکت کے علاوہ کوئی حرف زائد نہین ہے، فارسٹر اور رویٹد جرد ونون کی قرأت کے برخلاف یہ قرأت حذف واضافہ سے پاک ہے،

وزن وقافیہ | یہ نظم ۲۶ مصرعون کا مجموعہ ہے جن مین سے ۲۴ مصرعے تو فعولن فعولن فعولن فعو کے وزن پر ہین، اکیسوان مصرعہ فعولن فعو کے وزن پر ہے، یہ حیرتناک امر ہے، قوافی کا عجب انداز ہے،

مصرعہ نمبر۱ و نمبر۲ }
مصرعہ نمبر۳ و نمبر۴ }
مصرعہ نمبر۸ و نمبر۹ } ہم قافیہ ہین، باقی مصرعون مین قافیہ کی پابندی نہین کی گئی ہے،
مصرعہ نمبر۱۸ و نمبر۱۹ و نمبر۲۰ }
مصرعہ نمبر۲۵ و نمبر۲۶ }

زبان کتبہ | اس کتبہ کے اکثر الفاظ متداول عربی کی کتب لغت مین ملین گے، اس لئے زبان کتبہ

عربی سمجھنا چاہئے، عبارت کو متداول عربی کے قواعد پر ڈھال کے ہم نے پڑھا ہے، مگر چند مقامات پر عربی نحو کے خلاف جانا پڑا،

(۱) ... ین مصرعہ مین یمنا اور لن حما کے الفاظ مین عربی قاعدہ سے یمن اور لن حمیر ہونا چاہئے، عربی کی نحو سے تطبیق کی غرض سے ہم نے ان دونون لفظون کے آخری الفون کو ی سے لکھا، عربی مین ایسے الفاظ کی بکثرت مثالین ہین،

(۲) گیارہوین مصرعہ مین شرلیا کا لفظ ہے، جسے قاعدہ سے شرلئے ہونا چاہئے لیکن ہمدانی نے اکلیل مین لکھا ہو کہ اہل حمیر خُذ بعیریک کی جگہ خذ بعیراک کہتے تھے،

(۳) مصرعہ دوم مین عربی قاعدہ سے اکملانہین تو کملان ہونا چاہئے، مگر ضرورت شعری یا زمانۂ کتبہ کے جواز نے اسے کملا کر دیا،

لغات | کتبہ کے اکثر الفاظ لغت کی متداول کتابون مین ملتے ہین جن الفاظ کو عام ناظرین بآسانی تلاش کر سکتے ہین، اُن کو چھوڑ کر باقی الفاظ کی تشریح کی جاتی ہے،

کرَدما، ذَحمی، ذتحم، ذَنی، ید نون اور تحترذ مین ذال کو دال بنا دینے پر یہ الفاظ لغت مین مل جائین گے، وَذِہ کو ودہ پڑھکر استیدہ کا مرادف قرار دیا جا سکتا ہے، اسی طرح ذیل کے الفاظ کو بھی ذرا تغیر کے ساتھ ناظرین لغت مین پا سکتے ہین،

۱- حَیت = حوت (منڈلانا) سے فعل کے وزن پر

۲- ذیت شنہ = ذات سنۃ

۳- یصلد = یصادی (مقابلہ کرتا ہے)

۴- ینَاءَ = ونی (عربی کی مثال واوی عبری مین مثال یائی ہوتا ہے اور ہمزہ آخر بکثرت ی سے بدل جاتا ہے)

(۵) نصقاسطر = نسقا سطر = قاف کے پیچھے کی سین عموماً صاد سے بدل جاتی ہے، تاج العروس مین ہو کہ ابن عباد نے کہا

" نسقان فلک کے قریب دو ستارے ہین، ایک یمانی ہے، ایک شامی (ن س ق) فلکہ چند دائرہ نما تارے ہین، سماک رامح کے پیچھے بنات النعش کے سامنے جن کو بچے قصعۃ المساکین کہتے ہین (ف ک ک)"

لفظ نسقا کی سطر کی طرف اضافت تعلق ہے، سطر سے مراد ستارون کی وہ جھرمٹ مراد ہے جن مین نسقان واقع ہین،

(۶) ذکی = ذکی، ذہین، تیزفہم،

ذیل کے الفاظ کا ترجمہ عبرانی لغت کی مدد سے کیا گیا ہے

(۷) کلہ = تباہ کاری

(۸) کزز = سخت دلی

(۹) تلمنا = ہم نے نکال دیا،

(۱۰) نحل = فرمان روا ہوا،

(۱۱) کستہ = عرش

ذیل کے الفاظ نہ عربی لغت مین ملے، نہ عبرانی لغت مین، مگر ان کے مطالب قرینہ سے معلوم ہوتے ہین

(۱۲) اگر = ذوی کا لفظ بتاتا ہے کہ یہ لفظ نباتات سے متعلق ہے، مواکرت کے معنی ہین مزارعت' اکر معنی زراعت،

(۱۳) ہتاکل = اکال وصول کیا، عربی مین اس چیز کو اکال کہتے تھے، جو امرا، اور حکام کو رعایا سے ملتا تھا، عربی افتعل عبرانی مین تفعل اور ہتفعل ہو،

۱۴۔ ذزد۔ غالباً ایرانی دز (قلعہ)

۱۵۔ لردنا۔ غالباً لردینا (ہماری سنگ اندازی سے)

۱۶۔ شرلیا۔ سیاق لفظ قذن بتاتا ہے کہ یہ قذالین کا مرادف ہے، پشت سر کے عین نیچا کو قذالین کہتے ہین،

۱۷۔ مطلق۔ م = من } محض قیاساً
طلن۔ دیار }

۱۸۔ سکاکل۔ دشمن محض قیاساً

۱۹۔ یترکت۔ ؟؟؟

۲۰۔ ششمی۔ خادم بن گیا، (مصری حرشستو کا ترجمہ کیا جاتا ہے (اتباع حور)

۲۱۔ ہرل۔ ؟؟؟

۲۲۔ ستام۔ غالباً مجرم

ترجمۂ نظم ان الفاظ کے علاوہ اور جتنے الفاظ ہین، یا تو اسمار و القاب ہین یا ذرا سی توجہ پر ناظرین اُن کو کُتبِ لغت مین تلاش کرلین گے، اس لئے اب ترجمہ ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے،

تمیق نے بنیاد ڈالی اور ذونین نے،

اور ذوشرح نے تباہ کاری کی حد کردی

کھیتی مرجھا گئی اور گاؤن گاؤن مین گیا کینہ

منڈلانے والا گدھ سیل محصول لینے کو

ارادہ کیا اوس نے ایک بھولی بھالی کا پانی کے پاس اس کی ناک اور کان کاٹ لئے ہمارے آقا نے

دشمنون نے کیا... خوب ہے مین کا پانی،

یسار آنیتن ڈھانے لگا یکجا کر کے

قلعہ سینا کے نہات کو۔ یا لل دو

یمن کی طرف سے مقابلہ کرنے لگا، مدافعت سے

ایک بازو عاجز ہو گیا، ہماری سنگ دلی بڑھ گئی

اپنی سنگ اندازی سے کینہ کی پشت سر ہم نے زخمی کر دی، شاس اور حاکہ کے باشندہ نے مدافعت کی،

ہم نے نکال دیا، اذیت دی ' ذو یقنہ

ریاح کو ہم نے لاتین مار کر اپنے دیار سے بھگا دیا

ہمارے دشمن بیماری کے تھیلے بن گئے ایسا دیکھ کر

بہادر ہیر، فلک کے دونوں ستاروں تک پہنچے

اور زندنوذ کے مغنی نے ترانہ گایا،

... یہ شخص اور اپنی ذرہ بازی

اور طور طریقہ اور شمشیر بازی

اور صین کی حکومت کے نکل جانے سے مغلوب ہو گیا،

اور عاجز ہو گیا تیز فہم

اور ذو نوش نے حبش کو راضی کیا، وہ خدمت گار بن گئے،

اور صورت بگڑ گئی، بدحال کرنے والے کی اور نیزے مارے کرز کے تو ذنے اور عیر۔۔ جیسا ہو گیا،

اور بادشاہ اور عیر کو اس کا دکھ ہوا

و شیح سخت اور ذو شرح کمزور ہو گیا

اور تنوخ حاکم ہوا، اور خدا نے پراگندہ کیا،

بدزبانی کے مجرم کو اور پاش پاش کر دیا، ۔۔ ختم

اماکن | اس نظم میں نام اماکن کے ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے،

صین | عربی روایات میں کئی کہانیاں ہیں جن میں تبابعۂ یمن کو چین پر حکمران بتایا گیا ہے، ان تبابعہ میں سے ایک شمر الصباح تھا جس کی بابت شاعر کہتا ہے کہ

من بعد ملک الصین اصبح هالکا

اکرم به من هالک محتاج

عام طور پر اس صین کو چین کا معرب سمجھا جاتا ہے، بعض کہانیاں بھی اس کی تائید کرتی ہیں، مگر ایک صین وہ ہے جس کی بابت شمردل بن شریک نے کہا،

حیث یقال للریاح اسفین	ہواؤں کو بہنے کا حکم ہوتا ہے، تو زور
ہوج یصبحن فلا ینبین،	زور سے بہنے لگتی ہیں، اور ہر سمت بہنے
وکل وجہ للسری یسرین	لگتی ہیں، یبرین اور حضرموت سے چل
یلغن اقصی الرمل من یبرین	کر ریگ زار کی حد اور صین تک
وحضرموت و بلغن الصین	پہونچتی ہیں،

(جزیرۃ العرب همدانی ص۳۰۲)

ان اشعار کے صین کو بھی چین ہی سمجھا جاتا ہے لیکن شاعر صریحًا اس ہوا کا ذکر کرتا ہے، جو یبرین، اور حضرموت سے شمال کو روانہ ہوتی، اور ریگ زار عرب کی آخری حد اور صین تک پہنچ جاتی ہے، اب توراۃ کا مطالعہ کرو تو معلوم ہوگا کہ کوہ طور کے مشرق میں جو علاقہ ہے، توراۃ میں اس کا نام سینی (عربی سینا) ہے، اور اس کے مغرب میں مصر سے ملا ہوا جو علاقہ ہے، اس کا نام دشت سین ہے، اسی سین کا صین کے نام

سے ایک قصاص شاعر ایک تبع کی زبان سے یوں ذکر کرتا ہے کہ

وعلى بني حام غدوت بطوله بالصين حتى بدد واتبديد

صین میں بنو حام پر میں نے حملہ کیا، اور اُن کو پراگندہ کر دیا، ازبور میں ارض حام مصر کا نام ہے۔
توراۃ میں حام کو مصر و کنعان اور کوش و فوط کا مورث بتایا گیا، ہو اس کتبہ کے اندر صین کے نام سے اس
علاقہ بنو حام کا ذکر ہے، جو طور و مصر کے درمیان ہے، اس کتبہ کے مطابق اس کے اندر مذکور واقعہ سے پہلے
تک صین پر ملوک یمن کی حکومت تھی، مگر انہی دنوں وہ وہاں سے محروم ہو کر ہر بے دخل ہوگئے۔

شیا | مراد سینا طور سے مشرق کا علاقہ

حاکہ | معجم البلدان میں ہے کہ حاکہ بلاد عذرہ کی ایک وادی کا نام ہے، بنو عذرہ کی شان میں
نابغہ نے کہا،

عظام اللهى ابناء عذرة انهم لهاميم يستلهونها فى الحناجر

هم منعوا وادى القرى من عدوهم بجمع شديد للعدو والمكابر

(یعنی)

بنو عذرہ بڑے کھاؤ بیر ہیں، انھوں نے اپنے دشمن سے وادی القریٰ کی حفاظت کی تھی؛
بلاد عذرہ وادی القریٰ میں تھے، اس لئے حاکہ بھی وادی القریٰ کے اندر واقع تھا۔

شش | شش سے مراد ایک مقام شاس ہے، ابن موسیٰ نے کہا کہ یہ مدینہ اور خیبر کے درمیان ایک
راستہ کا نام ہے، حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم جب غزوۂ خیبر کو چلے، تو شاس کی راہ چھوڑ کر مرحب کی
راہ سے چلے (معجم البلدان)

یین | مدینہ منورہ سے ایک برید کے فاصلہ پر صاحک اور صویک نام دو پہاڑوں کے درمیان ایک وادی
کا نام یین ہے، حضرت اہبانؓ الاسلمی یین کے باشندہ تھے، یہاں بنو خزاعہ کی ایک شاخ بنو اسلم رہتی تھی

سیرت ابن ہشام میں ذوبابل کا ذکر آیا ہے، غزوۂ بدر کے سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تربان، ملل، عمیس الحمام اور مرتین ہوتے ہوئے صخیرات الیمام سے گذرے اور غزوۂ بنو لحیان کے سفر میں غراب جبل مخیض، البتراء پھر یمین ہوتے ہوتے صخیرات الیمام سے گذرے،

یمنی | یمن کے مقام مین سیل نام ایک سرکاری محصل کی توہین کی گئی، یسار نام ایک حاکم ریاست کی فوج نے کر سینا سے انتقام کو چلا جس کا مقابلہ حاکرا ور شاس و اون نے کیا، یمن کی طرف سے ذوبابل نے یمن پر چڑھائی کی، اس لئے سینا، حاکر اور شاس کے ساتھ کتبہ میں یمن کا ذکر بھی آیا ہے،

حبش | اس جنگ کا نتیجہ یہ نکلا کہ یمن والے غالب رہے، یسار اور ذوبابیل کی فوجون نے شکست کھائی، مجبوراً ذونوش نے جو غالباً ان دنون یمن کا بادشاہ ہوگا، اہل حبش کو خوشامد کرکے اپنی فوج مین داخل کیا، اس حیثیت سے کتبہ کے اندر حبش کا ذکر آیا ہے، (باقی)

دار المصنفین کی دوسری نئی کتاب

تاریخ اندلس

اندلس پر اردو مین بکثرت مضامین اور کتابین لکھی گئین، اور بکثرت عربی و انگریزی کتابون کا ترجمہ بھی کیا گیا لیکن پھر بھی ایک محققانہ اور مستند کتاب کی ضرورت باقی تھی، اسی کمی کو پورا کرنے کے لئے یہ کتاب لکھی گئی ہے، جو درحقیقت دار المصنفین کے پیش نظر سلسلۂ تاریخ اسلام کی ایک اہم کڑی ہے، اس کی متعدد جلدین ہین، جو بتدریج شائع ہونگی، اس جلد مین شروع مین اندلس کے طبعی و تاریخی جغرافیہ اسکی قدیم تاریخ وہان کے باشندون اور مختلف حکومتون کی تفصیل، پھر فاتح اندلس طارق بن زیاد (۹۲ھ ۷۱۱ء) سے (۹۲ھ ۷۱۲ء) سے لیکر عبد الرحمن اوسط (۲۳۶ھ ۸۴۲ء) تک وہان کی سیاسی تمدنی اور علمی تاریخ قلم بند کی گئی ہے،

(مرتبہ سید ریاست علی صاحب ندوی) منیجر

تلخیص و تبصرہ

ہندوستان کے مسلمان حکمرانون کے عہد کی ایک جھلک

ڈاکٹر راجندر پرشاد نے جو آج کل ہمارے جمہوریۂ ہند کے صدر ہین، ۱۹۴۶ء عیسوی مین ایک کتاب "India Divided" لکھی تھی، جو بہت مقبول ہوئی، اب تک اس کے تین اڈیشن نکل چکے ہین، اس کے ابتدائی حصہ مین ہندوستان کے مسلمان حکمرانون کی مذہبی، سیاسی اور علمی رواداری پر بھی تبصرہ ہے جس کے خاص خاص حصے ہم ہدیۂ ناظرین کرتے ہین، آج جب کہ ایک خاص حلقہ مین یہ بتانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ ہندوستان مین مسلمانون کی حکومت بہت ہی جابرانہ اور متعصبانہ تھی، ذیل کی تحریر پڑھنے کے بعد یہ ماننا پڑے گا کہ اس قسم کی باتین عدم واقفیت اور محض تعصب کا نتیجہ ہین،

ڈاکٹر راجندر پرشاد رقمطراز ہین:

"عملی طور پر ایسی بہت سی مثالین ملین گی کہ مسلمان بادشاہون نے مندرون اور مٹھون کیلئے جائدادین وقف کین، اور عبادت گذار اور صاحب علم و کمال پنڈتون کو جاگیرین دین، یہ بہت کچھ دکھایا جا چکا ہے کہ مسلمان بادشاہون نے ہندوؤن کے کتنے مندرون اور عبادت گاہون کو مسمار کیا، لیکن اگر کوئی محقق ان کثیر التعداد اوقاف اور جاگیرون کی فہرست تیار کر دے، جو مسلمان حکمرانون

کی طرف سے ہندوؤں کی عبادت گاہوں کو دی گئی ہیں، تو یہ بڑا مفید کام ہوگا جنوبی ہند کی تاریخ کے طلبہ کو ایسی مثالیں بہت ملیں گی کہ عادل شاہی، قطب شاہی اور آصف شاہی بادشاہوں نے برہمنوں کے لئے بہت سی جاگیریں وقف کیں، بودھ گیا کے مہنت کی زمینداری کی سالانہ آمدنی لاکھوں روپیے ہے، یہ زمینداری دہلی کے مغل بادشاہ محمد شاہ کا عطیہ ہے، جسے اس نے ایک شاہی فرمان کے ذریعہ سے مہنت لال گیر گوسٹی پورنا راڈیہہ کا پورا علاقہ عطا کیا، مہاراجہ دربھنگہ کا علاقہ ہندوستان کی سب سے بڑی زمینداری ہے، یہ اکبر نے موجودہ مہاراجہ دربھنگہ کے مورث اعلیٰ کو دی تھی، جو زہد و تقشف میں نمایاں حیثیت رکھتے تھے، شیر شاہ نے ہندو رعایا کی تعلیم کے لئے جاگیریں وقف کیں، ان جاگیروں کا انتظام خود ہندو ہی آزادانہ طریقہ پر کرتے تھے، شیر شاہ اپنی رواداری کی وجہ سے ہر فرقہ میں مقبول تھا، کشمیر کا حکمران سلطان زین العابدین امرناتھ اور شاردا دیوی کے مندروں میں گیا، تو وہاں کے زائرین کے آرام و آسایش کے لئے مکانات تعمیر کرائے، ۱۸۰۶ء میں سردار نجیب آباد کے پٹھانوں کے زیر نگین تھا، نجیب آباد کے نواب سردار کے جائزوں کے لئے بڑے بڑے مکانات بنوائے، جو آج تک موجود اور ہندوؤں کے قبضہ میں ہیں،

عالمگیر کے عہد کا مورخ منشی سجان رائے خلاصۃ التواریخ میں لکھتا ہے کہ دیپالپور میں جو کالا نور کے پاس واقع ہے شاہ شمس الدین دریائی کا مزار ہے، ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کو ان سے بڑی عقیدت تھی لیکن ایک ہندو کی عقیدت اتنی زیادہ تھی کہ ان کی وفات کے بعد اسی ہندو کو مسلمانوں اور ہندوؤں نے مل کر ان کے مزار کا متولی بنایا، چند سال کے بعد کچھ مسلمانوں نے شورش کرکے مذہبی بہانے سے ہندو کو تولیت سے محروم کر دینا چاہا لیکن عالمگیری حکومت نے اس شورش کو کامیاب نہیں ہونے دیا، اور جب کہ یہ کتاب (یعنی خلاصۃ التواریخ) لکھی جا رہی ہے، عالمگیر کی حکومت کا تیسرا سال ہے لیکن اس مزار کی تولیت بدستور ہندوؤں ہی کے ہاتھ میں ہے"۔

حیدرآباد دکن میں ایک مشہور درگاہ کی تولیت کا سلسلہ ایک برہمن خاندان میں چلا آتا ہے نظام

حیدرآباد نے اس درگاہ کے لئے ایک بڑی جاگیر وقف کی ہے، بعض مسلمانون نے ہندو متولی کو علٰحدہ کرنا چاہا، مگر نظام نے نہین ہونے دیا، حیدرآباد شہر کے اندر سیتارام کا ایک مندر ہے، ایک اور مندر ما ہور (عادل آباد) مین ہے، ان دونون مندرون کے لئے حکومتِ نظام کی طرف سے جائداد وقف ہے، جس کی سالانہ آمدنی پچاس ساٹھ ہزار ہے، ناندیڑ مین سکھون کے ایک گرودوارے کے لئے بھی نظام نے ایک جاگیر عطا کی ہے، جسکی سالانہ آمدنی بیس ہزار ہے،

۱۱۶۶ھ مین احمد شاہ بہادر غازی نے ایک سند عطا کی تھی جس کا ترجمہ یہ ہے:-

ضلع اکبرآباد کے قصبہ اچھنیرا کے زمینداروں اور کاشتکارون کو معلوم ہو کہ تشیل داس بیراگی کو پنیارتھ کے طور پر شری ٹھاکر جی کے بھوگ اور نوید کے لئے سترہ بیگھے کھیت کی معافی دیجاتی ہے، تاکہ اُن کی آمدنی سے شری ٹھاکر جی کے اخراجات پورے ہو سکین اور پوجا پاٹ ہوتا رہے، اچھنیرا کے بازار کے چودھری کو معلوم ہو کہ وہ شری ٹھاکر جی کے لئے بیس سیر غلہ ادا کرے، بیراگی کو اس حق سے محروم نہ کیا جائے، تاریخ ۳ رمضان ۱۱۳۹ھ

ایک اور سند شہاب الدین خان کی ہے جو اس نے چنچواڑ کے مشہور گنیش مندر کے اخراجات کے لئے عطا کی تھی اس سند کے لئے قول نامہ کی اصطلاح استعمال کی گئی ہے وہ یہ ہے:-

"یہ قول نامہ چنچواڑ موضع زیر گوشائین کے لئے پرگنہ پونا کے بارہ مین ہے، جس کے لئے خان حکمت نہاد خان نے اطلاع دے کر جاگیر کے ایک قول کی درخواست کی ہے، اس لئے یہ تحریر دیجاتی ہے کہ وہ اس گاؤن کے لوگون کے ساتھ رہے، اور اسکی زمین کو زرخیز اور بہتر بنائے، اللہ تعالٰی کے فضل سے اس کو کوئی ضرر یا دیب دکھائی پڑیگی، اس قولیت نامہ کی تاریخ ۱۱ ذیقعدہ ۱۱۲۲ھ ہے"،

الہ آباد مین اسی طرح کے دو فرامین ہین، ایک مشہور مندر سومیشور ناتھ کے پجاریون کے نام ہے جسکو اورنگزیب نے عطا کیا تھا

اورنگزیب نے جنگبیون کے لڑکے گردھر ساکن موضع بستی، ضلع بنارس جد دشرا ساکن میش، بودر مہچ گنتہ حویلی اور پنڈت بلبھدر مصرا، کو بھی جاگیرین دین، یہ سب کے سب مندرون کے پجاری تھے، اورنگزیب نے ملتان کے مندر توت لامی کے لئے شرا کلیان داس کو سو روپیہ کا وظیفہ عطا کیا، یہ مندر اب تک موجود ہے،

سلطان محمد مراد بخش نے سنہ ۱۱۵۳ھ مین حکم دیا کہ اوجین کے گدام سے دہاکل کے مندر کی روشنی کے لئے چار سیر گھی روزانہ دیا جائے،

بہت سے مسلمان حکمران علوم و فنون کے سرپرست رہے ہین جنھون نے صرف فارسی اور عربی زبان کو فروغ دیا، بلکہ سنسکرت زبان اور ہندوستان کے لٹریچر اور سائنس کی بھی سرپرستی کی، انھون نے ہندستان مین علوم و فنون کو جو ترقی دی، اُن کو یہان مختصراً بھی لکھنا ممکن نہین، شاہانہ سرپرستی مین سنسکرت کی متعدد کتابین فارسی اور عربی زبانون مین ترجمہ کی گئین، بہت سے مسلمان حکمرانون نے خود سنسکرت زبان کی تحصیل اور اُن مین سے بعض نے سنسکرت کی کتابون کو ترجمہ بھی اس غرض سے کیا کہ ہندوؤن کے علوم کے خزانے مسلمانون تک بھی پہنچ جائین، انھون نے دوسرون کو اس زبان کی تحصیل کی ترغیب دی، ہندو طلبہ کے تعلیمی نصاب مین سنسکرت زبان بھی ہوتی تھی، غرض سنسکرت زبان کی سرپرستی ہر ممکن طریقہ سے کی گئی، ڈاکٹر جیمز اے، کرینس نے اسلامی ہند مین تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

مسلمان بادشاہ اور شہزادے ہندو کلچر کا بھی دلچسپی سے مطالعہ کیا کرتے تھے، مسلمانون کی تعلیم مین ہندو ادب کا اختلاط اسی طرح ہو گیا تھا جس طرح مغل مصوری راجپوتون کی مصوری سے مل جل گئی تھی، ہندو کے ادب العالیہ کا فارسی مین ترجمہ کیا گیا، اور رفتہ رفتہ فارسی کلچر سے ہندو کلچر متاثر ہوتا گیا،

ترکمانی [illegible] فارسی [illegible] لکھتا ہے کہ

"ہندو مسلمان ایک دوسرے سے مل جل کر رہتے، مسلمان بادشاہ ہندوؤن کو بڑے بڑے عہدون

پر مامور کرتے اور ان کو اعلیٰ منصب عطا کرتے تھے" اس کے یہ معنی ہیں کہ ہندوؤں کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ میں کوئی تفریق نہیں کی جاتی تھی، ہندو اپنے مذہبی فرائض اور مراسم کو ادا کرنے میں بالکل آزاد تھے اور مسلمان ہندوؤں کے مذہبی جذبات کا بڑا احترام کرتے تھے،

سر انفرڈ لائل ایشیاٹک اسٹڈیز میں رقمطراز ہیں کہ مسلمان حکمران ہندوستان کو اپنے مذہب کے مطابق بنانے کے تخیل سے اتنے دور تھے کہ کبھی مسلمانوں نے بھی اسکی کوشش نہیں کی کہ ملکی نظم و نسق کے بڑے بڑے عہدے صرف مسلمانوں ہی کے لئے مخصوص رہیں،

اورنگزیب نے بہت سے لائق ہندوؤں کی ملازمت کے لئے شاہجہان کے پاس سفارش لکھی [illegible] کے دیوان کی جگہ خالی ہوئی، تو اورنگزیب نے ایک راجپوت عہدیدار رام کرن کی سفارش کی بعض اسباب کی بنا پر شاہجہان نے اس سفارش کو قبول نہیں کیا، تو اورنگزیب نے پھر شاہجہان کو لکھا کہ اس جگہ کے لئے کوئی اس سے بہتر آدمی مل نہیں سکتا، اورنگزیب کی سفارشوں کی اور مثالیں بھی رقعات عالمگیری اور آداب عالمگیری میں مل سکتی ہیں۔

عام طور سے یہی سمجھا جاتا ہے کہ اورنگزیب نے ہندوؤں سے زبردستی اسلام قبول کرایا لیکن ہم یہاں پر ایک عجیب غریب واقعہ کا ذکر کرتے ہیں جس سے اورنگزیب کے رجحانات کا اندازہ ہوگا، شاہجہان نے دندھیرا کے راجہ اندر من کو سرکشی کی بنا پر قید کر دیا، جب اورنگزیب دکن کا صوبیدار مقرر ہوا تو اس نے راجہ کی رہائی کے لئے شاہجہان سے سفارش کی، لیکن شاہجہان اندر من سے بہت زیادہ برہم اور ناخوش تھا، اس لئے اورنگزیب کی سفارش قبول نہیں کی، اور اس کو لکھ بھیجا کہ اندر من نے بار بار تکلیف پہنچائی ہے، وہ صرف اس شرط پر رہا کیا جا سکتا ہے کہ اسلام قبول کرلے، اس پر اورنگزیب نے سخت احتجاج کیا اور شاہجہان کو لکھا کہ اس شرط پر عمل نہیں کیا جا سکتا، یہ بہت ہی غیر مدبرانہ اور غیر دانشمندانہ فعل ہوگا، اسکی رہائی خود اسی کے شرائط کے مطابق ہونی چاہئے اس سلسلہ میں اس نے شاہجہان کے وزیر اعظم کو ایک رقعہ لکھا جو آداب عالمگیری میں موجود ہے،

"ص ع"

ادبیات

فطرت اور مومن

از

جناب شہزور کاشمیری

لحد کے خواب کا ہے سلسلہ اسکی گران خوابی
جو فطرت کے تقاضوں سے کرے دانستہ بیتابی

ہے فطرت ایک مجموعہ قوانینِ الٰہی کا
ازل سے جن کا پیرو ہے جہانِ خاکی و آبی

بصارت ہے تو فطرت کا صحیفہ پڑھ کبھی تو بھی
بصیرت کے لیے کافی ہے اک جگنو کی شب تابی

صلاحیت ہے ہر ذرّہ میں صحراؤں پہ چھانے کی
ہر اک قطرہ کی فطرت میں ہے طغیانی و سیلابی

دلِ ظلمت میں پوشیدہ ہیں صدہا چاند اور سورج
نہاں ہر خار کے دامن میں ہے جنت کی شادابی

کتابِ فطرتِ رنگین کے اوراق پریشان ہیں
دلِ رومی، دماغِ طوسی و چشمانِ فارابی

ہے فطرت ایک دستور العمل مردِ مجاہد کا،
ہے جس کا مقصدِ ہستی جہان بانی جہان تابی

ہے فطرت کی سی گیرائی نگاہِ مردِ مومن میں
ملی ہے اس کے دل کو فطرۃً تقدیرِ سیمابی

ہے گر نغمات سے معمور اک سازِ ازل فطرت
تو مومن کی نظر اس کے لیے ہے ضربِ مضرابی

ہے مومن ایک بحرِ بیکرانِ رحمتِ یزدان
مسلمانی ہے صلح دامن کے تشنوں کی سیرابی

بجز علم الیقین ممکن نہیں ادراک فطرت کا
انہی انوار کی ہو تیرے دل میں بھی ضیا تابی

بجھانے دی یقین کو عقل کی افسردہ شمعیں سب طلوع مہر کا مژدہ ہے تارون کی تنک تابی

تری تخئیل پر ہو باز در اسرار فطرت کا
عطا تجھکو کرے خالقِ دل مومن کی بیتابی

غزل

از

جناب سید شاہ ولی الرحمن ولی ڈپٹی کلکٹر آرہ

عقل الجھ کے رہگئی وہم کے تار و پود مین حسن کی دیکھ لی جھلک عشق نے ہر وجود مین
کعبہ ہو یا کہ بتکدہ جھک گئی خود جبینِ شوق کس کو دماغ امتیاز بیخودیِ سجود مین
ڈھونڈھ چکا ہون جو بجو دشت بدشت کو بکو ایک بھی ہم نفس نہین کارگہِ وجود مین
جن کے ہین اہل جنون ہوش کان ہین جنکے حق نیوش پاتے ہین کیف سرمدی نغمۂ چنگ و عود مین
کافرِ عشق کے لئے عینِ حرم ہے دیر بھی گو ہے درِ بتان پہ سر محو ہے دل درود مین
کاکلِ عطر بیز کی دوش پہ چھا گئی گھٹا ڈوب گئی فضاے جان نکہتِ مشک و عود مین
جان ہو وقفِ جستجو دل ہو شہیدِ آرزو امن و سکون نہ کر تلاش معرکۂ وجود مین
کعبۂ آرزو ہوا ہر نفسِ حیاتِ عشق مل گیا نافۂ مراد کاکلِ مشک سود مین
مرگ بھی عین زیست ہے گرمِ سفر ہو گر حیات زیست بھی عین مرگ ہے منزلِ فتح و بود مین
عشق ہے حسن کا جواب حسن ہے عشق کا جواب حسن ازل کی ہے نمود عشق کی ہر نمود مین

مسلکِ عشق مین ولی یاس و امید ہے حرام
دل کو رہینِ غم نہ کر فکرِ زیان و سود مین

باب التقریظ والانتقاد

معین الارواح

یعنی

حضرت خواجہ معین الدین چشتی کی ایک نئی سوانح عمری

از

سید صباح الدین عبدالرحمن ایم اے علیگ رفیق دار المصنفین

(۲)

اب ایک علمی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر تمام تذکرہ نویسوں کے لکھنے کے بموجب یہ تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت خواجہ ۵۸۶ھ میں ہندوستان تشریف لائے تو اس وقت ان کا سن شریف کیا تھا؟

معین الارواح کے فاضل مولف نے حضرت خواجہ کا سال ولادت ۵۳۰ھ قرار دیا ہے لیکن اس سنہ کو صحیح تسلیم کرنے میں کچھ تامل اس لئے ہوتا ہے کہ تذکرہ نویسوں نے حضرت خواجہ کے مرشد حضرت خواجہ عثمان ہارونی کا سال ولادت ۵۲۶ھ لکھا ہے، (خزینۃ الاصفیا ص ۲۵۷ جلد اول)

گمان ہوتا ہے کہ مرشد و مرید میں سن و سال کا تفاوت کچھ اور زیادہ ہوگا، فاضل مولف لکھتے ہیں کہ اکثر مؤرخین نے حضرت خواجہ کا سال ولادت ۵۳۷ھ لکھا ہے، (ص ۵) اگر حضرت خواجہ عثمان ہارونی کی تاریخ ولادت ۵۲۶ھ صحیح تسلیم کر لی جائے، تو ان کے مرید حضرت خواجہ کا سال ولادت

۵۳۷ھ تسلیم کرنے میں زیادہ تامل نہیں ہوتا ہے اب اگر ہم حضرت خواجہ کی ولادت باسعادت کی تاریخ
۵۳۰ھ قرار دیتے ہیں، تو ۵۶۱ھ میں ہندوستان آنے کے وقت اُن کی عمر اکتیس سال کی ہوتی ہے[1]
اور اگر ۵۳۷ھ کو صحیح سمجھتے ہیں، تو ہندوستان میں اُن کے ورود مسعود کے وقت ان کی عمر چوبیس سال
کی ہوتی ہے، قیاس کہتا ہے کہ اکتیس یا چوبیس سال کی اتنی کم عمری میں ہندوستان آکر مستقل سکونت
اختیار نہ فرمائی ہو، خصوصاً جب یہ معلوم ہو کہ مرشد کی خدمت اور پھر سیاحت میں کافی مدت گذاری،
ایک اور چیز یہ بھی قابلِ غور ہے کہ وہ اگر ۵۸۶ھ میں اجمیر آئے، تو گویا اجمیر کے ہندو حکمران سے
۵۸۸ھ یعنی شہاب الدین غوری کے حملہ تک متصادم رہے، بعض تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ ۵۶۱ھ
میں اجمیر آئے تو پرتھوی راج کو اجمیر میں اُن کا قیام گران گذرا، لیکن یہ صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ تاریخوں
میں پرتھوی راج کی تخت نشینی کی تاریخ ۵۷۱ھ ہے[2]، اور تھوڑی دیر کیلئے اگر تسلیم کر لیا جائے کہ حضرت
خواجہ کے اجمیر میں آنے کے دس برس کے بعد پرتھوی راج گدی پر بیٹھا اور اپنی تخت نشینی کے بعد سے
حضرت خواجہ کے قیام میں مزاحمت شروع کی، تو اس کی نطق انسانی سے یہ توقع نہیں ہو سکتی تھی
کہ ۵۷۱ھ سے ۵۸۸ھ یعنی سترہ برس تک اُن کے تصادم کو اپنی راجدھانی میں برداشت کرتا رہا

---

[1] ناچیز راقم نے اپنی حقیر تالیف بزم صوفیہ میں تذکرہ نویسوں پر بھروسہ کرکے یہ لکھدیا ہے کہ
"دہلی سے اجمیر گئے اور وہاں دسویں محرم ۵۶۱ھ میں نزول اجلال فرمایا، اور یہیں آخر وقت تک
قیام رہا۔ اس زمانہ میں اجمیر اور دہلی کا حکمران چوہان خاندان کا مشہور راجپوت راجہ
پتھورا تھا"

اب ان تحقیقات کے بعد یہ بیان نظر ثانی کا محتاج ہوگیا ہے، بزم صوفیہ میں ایک اور
تسامح ہو گیا ہے اس میں، یادگار محمد یادگار کو اصفہان کا حاکم لکھدیا گیا ہے، اس سلسلہ میں بھی تذکرہ نویسوں میں
کچھ اختلاف ہے (خزینۃ الاصفیاء جلد اول ص [illegible]) میں ہے کہ سبزوار، ہرات کا حاکم تھا لیکن زیادہ تر تذکرہ نویسوں نے اسکو سبزوار
کا حاکم بتایا ہے اور یہی صحیح ہے۔

اب اگر ہم یہ تسلیم کرلیں کہ حضرت خواجہ ۵۶۱ھ میں اجمیر آکر پھر لوٹ گئے، لیکن جب اس کے لئے کوئی قطعی شہادت نہیں ملتی ہے تو یہ خیال ہوتا ہے کہ تذکرہ نویسوں نے ۵۶۱ھ کی تاریخ غلط لکھی ہے، انھوں نے شہاب الدین غوری کے حملہ سے کچھ ہی پہلے یعنی ۵۸۷ھ میں اجمیر میں نزول اجلال فرمایا، ہوا یہ تھوی راج نے اُن کو تکلیف پہنچائی تو اُن کی دعاؤں سے شہاب الدین غوری ۵۸۸ھ میں حملہ آور ہوا، اس خیال کو تقویت اس سے بھی پہنچتی ہے کہ حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے حلقۂ ارادت میں داخل ہونے کی تاریخ خود معین الارواح کے فاضل مؤلف نے ۵۸۶ھ بتائی ہے، ابھی ذکر آچکا ہو کہ حضرت خواجہ قطب الدین اپنے مرشد کے ساتھ اجمیر آئے ۔

اب یہ مان لیا جائے کہ حضرت خواجہ اجمیر پہلی دفعہ ۵۸۶ھ میں آئے تو اُن کے ۵۳۶ھ کے سنہ پیدائش کے مطابق ان کی عمر اس وقت پچاس سال کی ہوتی ہے، لیکن تذکرہ نویس لکھتے ہیں حضرت خواجہ کو جب اپنے مرشد حضرت خواجہ عثمان ہارونیؒ سے خرقۂ خلافت ملا تو اس وقت ان کا سن شریف باون برس کا تھا، تو اس کے یہ معنی ہوئے کہ ۵۸۸ھ میں اجمیر آکر پھر اپنے مرشد کے پاس گئے لیکن ابھی بحث ہوچکی ہے کہ یہ ایک متنازعہ فیہ واقعہ ہے، اب اگر حضرت خواجہ کی ولادت باسعادت کی تاریخ ۵۳۰ھ میں مان لیں تو ۵۸۷ھ میں اجمیر آنے کے وقت اُن کی عمر ستاون برس کی ہوتی ہے یعنی وہ اپنے مرشد سے خرقۂ خلافت لے کر اجمیر تشریف لائے ۔

لیکن یہ ساری بحث گنجلک ہوتی جارہی ہے، اور ہم کوئی قطعی رائے قائم کرنے سے قاصر ہیں، حضرت خواجہ کے حالات قلمبند کرنے میں تذکرہ نویسوں نے کچھ ایسی مبہم، غیر واضح مختلف اور متضاد باتیں لکھی ہیں کہ اگر ان کا تجزیہ کیا جائے، تو ایک لامتناہی بحث چھڑ جاتی ہے، اور کوئی خاص نتیجہ نہیں نکلتا ہے

ایک آدھ مثال اور ملاحظہ ہو، سلطان شمس الدین التمش کو کسی تذکرہ نویس نے حضرت خواجہ عثمان ہارونی کا مرید لکھا ہے، اور کسی نے حضرت خواجہ معین الدینؒ کا اور کسی نے حضرت خواجہ بختیار کاکی کا مرید بتایا ہے

ہارونی کا مرید لکھا ہے، اور کسی نے حضرت خواجہ معین الدین اور کسی نے حضرت خواجہ بختیار کاکی کا مرید بتایا ہے، حضرت خواجہ بختیار کاکی کے ملفوظات فوائد السالکین میں سلطان التمش کا ذکر بار بار آتا ہے، اور اس کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ سلطان کو حضرت بختیار کاکی سے ارادت تھی، چنانچہ ایک موقع پر حضرت بختیار کاکی فرماتے ہیں :-

"ایک رات وہ یعنی التمش میرے پاس آیا اور میرا پاؤں پکڑ لیا، میں نے کہا کہ مجھکو کب تک تکلیف پہنچاتے رہوگے، جو ضرورت ہو بیان کرو، اس نے کہا رب العزت مجھ کو مملکت تو دی ہے لیکن قیامت کے روز جب مجھ سے اس کی بازپرس ہوگی اور اس کا حساب دینا ہوگا، تو اس وقت بھی آپ مجھے نہ چھوڑیں، وہ اس وقت تک واپس نہ گیا جب تک کہ میں نے اس کی بات قبول نہ کر لی۔ (فوائد السالکین ص ۲۹)

اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ سلطان التمش حضرت خواجہ عثمان ہارونی کا مرید تھا تو چشتیہ سلسلہ کے آداب کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ گمان نہیں ہوتا کہ سلطان التمش کو اپنے مرشد کے مرید کے مرید سے والہانہ عقیدت ہوگئی تھی، خزینۃ الاصفیا کے مؤلف نے واضح طور پر یہ لکھا ہے کہ

بادشاہ یعنی سلطان التمش رحم دل و عادل و سلطان کامل و مکمل از خلفائے نامدار و مریدان باوقار خواجہ قطب الدین بختیار است" (جلد اول ص ۲۰۷)

لیکن ہمارے فاضل مؤلف جناب محمد خادم حسن زبیری صاحب نے حضرت خواجہ معین الدین کی ایک تصنیف گنج اسرار کی سند پر سلطان التمش کو حضرت خواجہ عثمان ہارونی کا مرید بتایا ہے (ص ۱۰) مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا گنج اسرار یا اور دوسری کتابیں جن کو فاضل مؤلف نے حضرت خواجہ کی طرف منسوب کیا ہے، اُن کی تصانیف تسلیم بھی کی جا سکتی ہیں ؟

خواجگانِ چشت کی تصانیف کے متعلق حضرت خواجہ نصیر الدین کا بیان خیر المجالس میں اس طرح ہے :-

"میرے حضرت پیر و مرشد جناب سلطان الاولیاء قدس سرہٗ العزیز فرماتے تھے، میں نے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی، اس واسطے کہ خدمت شیخ الاسلام حضرت فریدالدین اور شیخ الاسلام حضرت مولینا قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ اور باقی خواجگان چشت وغیرہ مشائخ جو داخل ہمارے شجرہ میں ہیں کسی نے کوئی تصنیف نہیں کی ہے، میں (یعنی مرتب خیرالمجالس) نے عرض کی کہ فوائدالفواد میں ہے کہ ایک شخص نے جناب سلطان الاولیاء قدس سرہ العزیز کی خدمت میں عرض کی، میں نے ایک معتبر سے سنا ہے، وہ کہتا ہے کہ میں نے آپ کی تصنیف سے ایک کتاب دیکھی ہے، حضرت سلطان الاولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا اس نے غلطی کی، میں نے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی ہے، اس واسطے کہ ہمارے خواجگان نے کوئی تصنیف نہیں کی، یہ سن کر حضرت خواجہ ذکرہ اللہ تعالیٰ بالخیر نے ارشاد کیا کہ واقعی ہمارے حضرت سلطان الاولیاء نے کوئی کتاب تصنیف نہیں کی، پھر میں (یعنی مرتب خیرالمجالس) نے عرض کی کہ یہ جو رسالے اس وقت میں دستیاب ہوئے ہیں، ملفوظات حضرت شیخ قطب الدین رحمۃ اللہ علیہ اور ملفوظات حضرت شیخ عثمان ہرونی رحمۃ اللہ علیہ ہمارے حضرت کے وقت میں ظاہر نہ ہوئے تھے، خواجہ ذکرہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا نہ تھے، اگر ان حضرات کی تصنیف سے ہوتے، تو بڑے حضرت ذکر اُن کا فرماتے، اور دستیاب ہوتے"

(اردو ترجمہ سیر المجالس ص ۳۶-۳۵، ترجمہ کی عبارت ہو بہو نقل کر دی گئی ہے)

خیرالمجالس کی مذکورۂ بالا روایت ہمارے فاضل مؤلف جناب محمد خادم حسن صاحب زبیری کی نظر سے گذری ہے لیکن ان کو اس بیان کے صحیح تسلیم کرنے میں تامل ہے، وہ لکھتے ہیں :-

"ہر چند کہ ان ملفوظات سے مولانا حمید قلندر نے انکار کیا ہے، اور خیرالمجالس (ملفوظات حضرت نصیرالدین چراغ دہلوی مرتبہ مولانا حمید قلندر) میں صاف لکھا ہے کہ یہ ملفوظات آنحضرت کے نہیں ہیں، کیونکہ اُن میں بہت سی ایسی باتیں ہیں، جو آنحضرت کے علم و ارشاد

کے مناسب نہیں ہیں، نیزان حضرات کی کوئی تصنیف نہیں، مگر افضل الفوائد جس میں حضرت سلطان المشائخ کے ملفوظات مرتبہ حضرت امیر خسرو ہیں مرقوم ہے کہ خواجہ بزرگ اور حضرت سلطان المشائخ جو کچھ اپنے پیر و مرشد سے سنتے تھے، وہ لکھ لیتے تھے، ان دونوں روایات کے اختلاف میں اس طرح تطبیق ہو جاتی ہے کہ سلطان المشائخ کے زمانہ تک یہ رسالے بشکل رسالہ جات ظاہر نہیں ہوئے تھے، بلکہ تبرکاً شجرہ کے ساتھ تھے، اور جزو شجرہ سمجھے جاتے تھے، نہ کہ رسالہ جات، علاوہ ازیں کسی دوسرے شخص کو ان حضرات کے ملفوظات مرتب کرنے کی کوئی خاص وجہ نہیں معلوم ہوئی، غیر متعلق شخص اتنی محنت کرکے یہ رسالے کیوں مرتب کرتا، نیز حضرت امیر خسرو کے بیان کو کسی طرح غیر معتبر نہیں کہا جا سکتا، (صفحہ ۱۱)

عاجز راقم کے سامنے اس وقت افضل الفوائد نہیں، فاضل مؤلف اگر امیر خسرو کی وہ فارسی عبارت نقل کر دیتے جس میں انھوں نے ظاہر کیا ہے کہ حضرت سلطان المشائخ اپنے مرشد کے ملفوظات لکھ لیتے تھے، تو بہتر ہوتا، حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ حضرت سلطان المشائخ کے جانشین تھے، اس لئے ان کے قول کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا، اس کے علاوہ حضرت امیر خسرو کی رائے تو صرف اپنے مرشد کے متعلق ہے، اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ حضرت سلطان المشائخ کے مرشد اور دوسرے خواجگان چشت نے کتابیں لکھیں اور ان کی جو متعدد تصانیف بازاروں میں بکتی ہیں، وہ انہی کی ہیں،

فاضل مؤلف نے گنج اسرار کے علاوہ حضرت خواجہ کی تصانیف میں حدیث المعارف اور رسالہ موجودیہ (شاید رسالہ وجودیہ مراد ہے) کا ذکر کیا ہے، یہ دونوں کتابیں کسی کی نظر سے نہیں گذریں، صرف ان کے نام سے منسوب ہیں، علمی دنیا میں ایسی مثالیں سینکڑوں ملیں گی کہ ایک تصنیف مالی فوائد اور دنیاوی اغراض کی خاطر دوسرے کے نام سے منسوب کر دی گئی ہے، حضرت خواجہ کی عظیم المرتبت شخصیت سے فائدہ اٹھانے کی غرض سے مجاوروں نے کوئی تصنیف ان کے نام سے منسوب کر دی ہو تو

کوئی تعجب انگیز بات نہین،

فاضل مؤلف کا یہ بھی خیال ہے کہ دیوان معین جو عام طور سے بازار دن مین بکتا ہے، وہ حضرت خواجہ ہی کا دیوان ہے، اس سلسلہ مین وہ لکھتے ہین کہ

"ہر چند کہ ایک گروہ دیوان معین کو معین الدین کاشفی کی تصنیف کہتا ہے آپ کا نتیجۂ فکر نہین مانتا، مگر شوکت کلام زبان حال سے کہہ رہی ہے یہ معمولی عارف کا کلام نہین، بلکہ اس مین جن اعلیٰ مقامات معرفت نکات تصوف اور فنائے تامہ کا اظہار کیا گیا ہے وہ آپ ہی جیسے عالی مرتبت اہل اللہ فرما سکتے ہین" (ص ۹۵)

آگے چل کر پھر رقمطراز ہین :-

"ہماری رائے مین موجودہ دیوان آپ ہی کے جذبات صادقہ، فکر بلند اور اعلیٰ ترین سیر جبروتی و ملکوتی اور لاہوتی کا نتیجہ مبارکہ ہے، منکرین دیوان نے بلا کسی دلیل کے صرف آپ کا ہمنام ہونے کی وجہ سے اس دیوان کو معین الدین کاشفی کا دیوان بتایا ہے، مگر انکی تائید مین کوئی قابل قبول ثبوت کسی کتاب مین ہماری نظر سے نہین گذرا، اس لئے ہم اس دیوان کو غریب نواز کی نسبت سے محروم نہیں کر سکتے" (صفحہ ۹۵)

شاید فاضل مؤلف کی نظر سے پروفیسر محمود شیرانی مرحوم کا مقالہ "دیوان حضرت خواجہ معین الدین حسن سجزی چشتی اجمیری" جو رسالہ اردو جولائی ۱۹۲۳ء مین شائع ہوا تھا نہین گذرا، اگر یہ محققانہ اور مدلل مضمون اُن کی نظر سے گذرا ہوتا، تو وہ ہرگز یہ تحریر نہ فرماتے کہ کوئی قابل قبول ثبوت میری نظر سے نہین گذرا، ابھی چند سال پہلے پروفیسر عبدالغنی کی ایک انگریزی کتاب "پری موغل پرشین ان ہندوستان" شائع ہوئی ہے، اس مین پروفیسر موصوف نے غالباً حضرت خواجہ معین الدین کی ذات سے غایت عقیدتمندی کے اظہار مین دیوان معین کو انہی کا دیوان سمجھکر اُن کو حافظ سے زیادہ بہتر اور

زیادہ شیریں کلام شاعر ثابت کیا تھا، پروفیسر موصوف کی اس کتاب پر پروفیسر شیرانی مرحوم نے رسالہ اردو کے شمارہ جنوری سنہ ۲۳ء میں بڑی سخت تنقید کرتے ہوئے لکھا تھا کہ تمام دنیا کے برخلاف نہ صرف خواجہ صاحب کو شاعر ہی ثابت کر دیا، بلکہ پورے جوش و خروش کے ساتھ ان کی شاعری کو حافظ سے بھی بڑھا دیا ہے ع

آرزو خوب است اما این قدر ہا خوب نیست

پروفیسر عبد الغنی نے اس تنقید کا جواب دینے کی کوشش کی، اور اپنا جواب ایک رسالہ کی صورت میں شائع کیا، جس کے ٹائٹل پر انھوں نے بعض غلط فہمیوں کی بنیاد پر "ضمیمہ رسالہ معارف" لکھ دیا ہے حالانکہ ان کا یہ لکھنا بالکل درست نہ تھا، اس رسالہ میں انھوں نے حضرت خواجہ کو بعض تذکرہ نویسوں کے حوالے سے شاعر تو ثابت کر دیا لیکن اُن کے صاحب دیوان ہونے پر اصرار نہیں کیا ہے، اس رسالہ کا جواب گجرات اورینٹل کالج میگزین کے سنہ ۲۹ء و سنہ ۳۰ء کے مختلف شماروں میں پروفیسر ابراہیم ڈار اسماعیل کالج بمبئی نے دیا، اور ابھی اگست سنہ ۳۰ء کے رسالہ اردو میں بھی ان کا ایک مقالہ دیوان خواجہ معین الدین چشتیؒ کے عنوان سے شائع ہوا ہے، پروفیسر محمود شیرانی مرحوم اور پروفیسر ابراہیم ڈار نے اپنی تحقیقات سے یہ ثابت کیا ہے کہ مولانا معین الدین فراہی کاشفی یمنی کی تصانیف معارج النبوۃ اور تفسیر سورۂ فاتحہ میں بہت سی ایسی غزلیں ہیں، جو دیوان معین میں پائی جاتی ہیں، اس لئے دیوان معین دراصل مولانا معین الدین فراہی کے کلام کا انتخاب ہے، معین الارواح کے فاضل مؤلف اگر ان تحقیقات سے باخبر ہوتے تو دیوان معین کو حضرت خواجہ کا دیوان تسلیم کرنے پر اصرار نہ کرتے، اور یہ اصرار اس لئے بھی بے جا ہے کہ حضرت خواجہ کا صاحب دیوان ہونا ان کا کوئی وصف یا کمال نہیں، اور نہ اُن کی شاعری اُن کے لئے وجہ امتیاز ہے،

معین الارواح کے حصۂ دوم میں سیرۃ مقدسہ کے عنوان سے حضرت خواجہ کی سیرت کے مختلف پہلوؤں کے ساتھ ان کی تعلیمات کو بھی واضح طور پر پیش کیا گیا ہے، یہ تعلیمات حضرت خواجہ کے ملفوظات سے مرتب کی گئی ہیں، لیکن فاضل مؤلف نے جس تلاش و جستجو سے اپنی کتاب لکھی ہے، اسی محنت و کاوش

کے ساتھ یہ بھی دکھانے کی کوشش کرتے کہ ان ملفوظات میں سے کون صحیح اور کون الحاقی ہے تو یہ اُن کا بڑا علمی کارنامہ ہوتا، کیونکہ خواجگان چشت کے ملفوظات کے مجموعوں کو غور سے پڑھنے کے بعد یہ اندازہ ہو جاتا ہے کہ بعض ملفوظات ان بزرگانِ دین کے ہرگز نہیں ہو سکتے، مثال کے طور پر حسب ذیل ملفوظ ملاحظہ ہو جس کو فاضل مؤلف نے اپنی کتاب کے صفحہ ۱۳۰ پر نقل کیا ہے،

"حضرت قطب الاقطابؒ نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میں شیخ الاسلام حضرت خواجہ معین الدین قدس سرہٗ کی خدمت اقدس میں حاضر تھا، اور اہلِ صفہ بھی موجود تھے، اولیاء اللہ کا تذکرہ ہو رہا تھا، اس درمیان میں ایک شخص بیعت ہونے کے لئے حاضرِ خدمت ہوا، اور آپ کے قدموں پر سر رکھا، غریب نوازؒ نے فرمایا بیٹھو، اس نے کہا میں مرید ہونے کے لئے حاضر ہوا ہوں آپ اس وقت اپنے حال میں تھے، فرمایا اس شرط پر مرید ہو سکتے ہو کہ ایک مرتبہ کہو لا الٰہ الا اللہ چشتی رسول اللہ چونکہ وہ راسخ العقیدۃ تھا، اُس نے فوراً اس طرح کہا، غریب نواز نے اس کو مرید کرنے کیلئے ہاتھ بڑھایا، اور خلعت خاص سے سرفراز فرمایا،

یہ روایت حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ کے مجموعۂ ملفوظات فوائد السالکین سے لی گئی ہے لیکن یہ روایت کبھی قابلِ قبول نہیں ہو سکتی، گو فاضل مؤلف نے اس کی مدافعت میں یہ تاویل کی ہے، کہ

"اگرچہ سرسری نظر سے دیکھنے میں مذکورہ بالا الفاظ شرعاً قابلِ اعتراض معلوم ہوتے ہیں، مگر لغوی معنی کے پیشِ نظر ہرگز قابلِ اعتراض نہیں، نیز صاحبانِ حال نے اس قسم کے کلمات اکثر فرمائے ہیں، چنانچہ سید الطائفہ حضرت جنید البغدادی اور حضرت بایزید بسطامی وغیرہ کے حالات میں بھی ایسے واقعات موجود ہیں، بلکہ خود سرورِ عالمؐ نے بھی طائف میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے سرگوشی کرنے کے موقع پر ارشاد فرمایا، "میں نے اُن سے سرگوشی نہیں کی، بلکہ خدا نے کی" نیز ایک دوسرے موقع پر ارشاد ہوتا ہے کہ "جس نے مجھے دیکھا اُس نے خدا کو دیکھا"

اس تاویل کی حیثیت عذر گناہ بدتر از گناہ سے زیادہ نہیں، اگر ہم مذکورہ بالا ملفوظات کو الحاقی سمجھ لیں، تو پھر کسی تاویل کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی، اسی قسم کے ملفوظات کے متعلق سیر العارفین میں ہے:

ایک شخص نے حضرت نصیر الدین محمود دہلی سے عرض کیا کہ میں نے خواجہ قطب الحق والدین قدس سرہٗ کے ملفوظات میں ایسا کچھ لکھا ہوا دیکھا ہے آپنے جواب میں فرمایا کہ بالکل غلط ہے، میں نے مجموعہ خود دیکھا ہے، حاشا للہ یہ کلام ان کا نہیں ہے، اکثر غلط غلط کلمات الحاقی ہیں جو بعد والوں نے بڑھا دیئے ہیں کسی طرح قطب صاحب قدس سرہٗ کے حالات و اعمال کے موافق نہیں ہیں، (جلد ۲ ص ۶۲)

اسی طرح یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت خواجہ معین الدینؒ کے بعض ملفوظات الحاقی ہیں، جو اُن کی علمی اور نظری تعلیمات کے بالکل منافی ہیں،

کتاب کے حصہ سوم میں حضرت خواجہ کی درگاہ اور اُن کے عُرس کے مراسم کی تفصیلات درج ہیں، حصہ چہارم میں حلقہ ارادت کے عنوان سے گذشتہ اور موجودہ عہد کے ان اکابر کا ذکر ہے جن کو حضرت خواجہ سے عقیدت رہی، حصہ پنجم میں حضرت خواجہ کی درگاہ شریف کے گذشتہ اور موجودہ درباریوں کا ذکر ہے حصہ ششم میں اجمیر کی مختصر تاریخ ہے، کتاب کے آخری تین حصے اجمیر شریف کے زائرین کے مطالعہ کے لئے مفید ہیں،

مجموعی حیثیت سے یہ کتاب بڑی قابلِ قدر ہے کہ اس میں حضرت خواجہ سے متعلق زیادہ سے زیادہ لٹریچر اکٹھا کر دیا گیا ہے، اور آیندہ جب کوئی اہلِ قلم حضرت خواجہ کی سوانحعمری سلیقہ سے مرتب کرنے کی کوشش کرے گا تو یہ کتاب بلاشبہ بہت مفید اور معاون ہوگی،

مطبوعات جدیدہ

یادِ ایام از نواب سر حافظ محمد احمد سعید خان رئیس چھتاری، تقطیع بڑی، ضخامت ۲۵۰ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت چار روپے، پتہ: غالباً راحت منزل علی گڑھ سے ملے گی۔

ہمارے صوبہ کے روٴسا مین خاندانی امارت و وجاہت، ذاتی قابلیت و صلاحیت، تدبر و ہوشمندی، اخلاق و سیرت اور دینداری مین نواب سر محمد احمد سعید خان رئیس چھتاری کا ممتاز درجہ ہے، اُن کی صلاحیت و سلامت روی کی بدولت کونسل کی ممبری سے لے کر وزارت، ہوم ممبری، گورنری اور ریاست حیدرآباد کی وزارتِ عظمیٰ تک کے اعزازات کو حاصل ہوئے، قومی اور سیاسی کامون مین بھی ان کا حصہ رہا ہے، جس سے ہر پڑھا لکھا شخص واقف ہے، زیرِ نظر کتاب سے اُن کی نئی تصنیفی صلاحیت کا علم ہوا، آپ بیتی جگ بیتی سے زیادہ دلچسپ اور سبق آموز ہوتی ہے، لیکن اردو مین خود نوشت سوانح عمریون کا بالکل رواج نہین ہے، اور سر سید رضا علی مرحوم کے اعمالنامہ کے علاوہ کوئی قابلِ ذکر خود نوشت سوانح عمری موجود نہین ہے، یادِ ایام اردو مین دوسری کتاب ہے، اس کے دو پہلو یا دو حصے ہین، ایک صاحبِ سوانح کے نجی اور ذاتی حالات، دوسرے اُن کی قومی و سیاسی زندگی، ذاتی حالات مین خاندان، بچپن، تعلیم و تربیت، انتظامِ ریاست اور حکام کے تعلقات وغیرہ کے حالات ہین، جو اگرچہ مختصر ہین لیکن دلچسپی سے خالی نہین، اور اُن سے اس دور کے رؤسا کی سوسائٹی اور ان کے مذاق و مشاغل پر روشنی پڑتی ہے، کتاب کا اصل حصہ مصنف کی سیاسی و قومی زندگی کا ہے، اُن کی سیاسی زندگی چیمسفورڈ اصلاحات کے زمانہ سے

۱۹۱۹ء سے شروع ہوتی ہے، اور کانگریسی وزارتوں کے قیام کے زمانہ ۱۹۳۷ء تک قائم رہتی ہے، اس درمیان میں کونسل کے ممبر، صوبے کے
وزیر، ہوم ممبر اور گورنر ہوئے، اور وقتاً فوقتاً قومی معاملات میں بھی حصہ لیتے رہے، اس لیے حکومت و ملکی سیاست دونوں سے ان کا واسطہ رہا، یہی زمانہ
ہندستانی سیاست کے طوفان کا تھا، بہت سے قومی، ملکی اور سیاسی مسائل اسی زمانہ میں پیدا ہوئے، نان کوآپریشن اور خلافت کی تحریکیں شروع
اور ختم ہوئیں، گورنمنٹ کے ساتھ آئینی اور غیر آئینی معرکے ہوئے، سائمن کمیشن آیا، کانگریس اور لیگ کے اختلافات شروع ہوئے، ہندو مسلم
مسائل نے شدت اختیار کی، زمینداروں اور کاشتکاروں میں کشمکش پیدا ہوئی، غرض ایوان حکومت کے اندر
اور باہر دونوں جگہ بہت سے معاملات و مسائل چھڑے، مصنف کو چونکہ حکومت اور قومی سیاست دونوں سے
تعلق تھا، اس لیے ان کو ان تمام معاملات سے سابقہ رہا، اس لیے اس کتاب میں مصنف کے سوانح
کے سلسلہ میں اس دور کی عموماً اور صوبہ متحدہ کی خصوصاً بیس سالہ سیاسی سرگذشت آگئی ہے، یہ سارے
واقعات ہم میں سے اکثروں کی نگاہوں کے سامنے گذرے ہیں، اس لیے اس کتاب کے مطالعہ سے وہ دور
نگاہوں کے سامنے آجاتا ہے، اور پڑھنے والا ان کو لطف و دلچسپی سے پڑھتا ہے، اس تاریخی سرگذشت کے
ضمن میں اس دور کے ارکان حکومت اور قومی رہنماؤں کے حالات اور مختلف النوع دلچسپ واقعات
بھی معرض تحریر میں آگئے ہیں، غرض کتاب گوناگوں معلومات اور دلچسپیوں کا مجموعہ ہے، انداز تحریر دلکش
اور شگفتہ ہے، کتاب بلکہ مصنف کا نمایاں وصف جو اس کے صفحہ صفحہ سے نمایاں ہے، انکی متانت و سنجیدگی،
اعتدال و میانہ روی، اور تحریر کی شائستگی ہے، جس دور کے یہ حالات ہیں وہ حکومت اور عوام کی کشمکش اور
اور ہندو مسلم اختلاف کا دور تھا، اور بہت سے معاملات میں مصنف کی حیثیت فریق کی تھی، اس لیے اس
کتاب میں جا بجا اختلافی مسائل بھی آئے ہیں، لیکن ان کا قلم کہیں بھی اعتدال و متانت کے جادہ سے نہیں ہٹا ہے،
اور مصنف کی شگفتگی تحریر، اور لطائف کی آمیزش نے ان خشک واقعات میں خاصی ادبی چاشنی پیدا کردی
ہے، اس کے مطالعہ سے پہلے یہ خیال میں بھی نہ تھا کہ مصنف کا ادبی مذاق اتنا ستھرا ہے، اور وہ ایسی اچھی کتاب
لکھ سکتے ہیں، یہ کتاب اپنی گوناگوں دلچسپیوں کے لحاظ سے نہایت قابل قدر اور تعلیم یافتہ طبقہ کے مطالعہ

کے لائق ہے۔

دیارِ عرب میں چند ماہ از مولانا مسعود عالم صاحب ندوی، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۳۰۹ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر، قیمت للعہ، پتہ مکتبہ چراغ راہ، نمبر ۹ لوٹیا بلڈنگ رام باغ روڈ، کراچی۔

مصنف نے اسلامی جماعت کی تبلیغ واشاعت کے لیے گذشتہ سال عراق ونجد وحجاز کا سفر کیا تھا، اور اس سلسلہ میں ان ملکوں کے تمام بڑے بڑے شہروں کی سیاحت کی، اور حج وزیارت سے بھی مشرف ہوئے، مذکورہ بالا کتاب اس سفر کی علمی سوغات ہے، یہ سفرنامہ عام سفرناموں سے کسی قدر مختلف ہے، مصنف کا ذوق خالص دینی اور علمی ہے، اور انھوں نے ایک مذہبی مقصد کے لیے سفر کیا تھا، اس لیے سیر وتفریح کے بجائے خصوصیت کے ساتھ وہ ہر مقام کے علما، اور دینی حلقہ سے زیادہ ملے، ان سے مذہبی معاملات ومسائل پر تبادلۂ خیال کیا، مذہبی اور علمی اداروں کو دیکھا، مذہبی نقطۂ نظر سے عقائد وخیالات واعمال کا جائزہ لیا، اسلیے اس سفرنامہ میں زیادہ تر ان ملکوں کے علمی ومذہبی حالات ہیں، اور مصنف نے بڑے درد لیکن بڑی سچائی اور جرأت کے ساتھ ان اسلامی ممالک کے مذہبی تساہل وتفریح پر تنقید کی ہے، اور جلالۃ الملک ملک حجاز کی شریعت پناہی کی حقیقت بھی پوری طرح واضح کی ہے، یہ اس سفرنامہ کا سب سے زیادہ قابل قدر پہلو ہے، اس سے ان ملکوں کے مذہبی وعلمی حالات کی تفصیل معلوم ہو جاتی ہے، ضمناً ان مقامات کے دوسرے حالات اور سفر کے مشاہدات وتجربات بھی آگئے ہیں، مصنف کا سنجیدہ علمی ومذہبی ذوق اور قلم کی پختگی پورے سفرنامہ میں نمایاں ہے، البتہ ان کے قدرشناسوں اور ہواخواہوں میں انہی کے بقول ان کی "خشک وہابیت" ہمیشہ کھٹکی ہے، جو اس سفرنامہ میں بھی موجود ہے، لیکن ان میں دین کا سچا جذبہ ہے، اس لیے ان کا دل باطنی کیفیتوں سے خالی نہیں ہے، اور اس کے اثرات اس سفرنامے میں بھی کہیں کہیں نظر آتے ہیں، مثلاً مدینہ طیبہ کی حاضری کے سلسلہ میں لکھتے ہیں "وہابیت کی خشکی کے باوجود دل پسیج رہا ہے" (ص ۳۰۵) اسی

سلسلہ مین آگے چل کر قصیدہ بردہ کے متعلق لکھتے ہین" بلاشبہ اس مین کہین کہین مقام نبوت سے تجاوز ہوگیا ہے لیکن اس کا ہر شعر درد و سوز مین ڈوبا ہے، راقم اپنی وہابیت کے باوجود اسے پڑھتا اور اس سے لطف اندوز ہوتا رہا" (ص ۱۴۴، ۱۴۵) صنعت مین دین کی سچی تڑپ ہو، اس لیے یقین ہے کہ ان شاء اللہ آیندہ چلکر ان کی وہابیت کی خشکی مین محبت و روحانیت کی تری بھی پیدا ہو جائے گی، سفرنامہ اپنے مفید علمی و مذہبی معلومات کے لحاظ سے اصحاب علم کے مطالعہ کے لائق ہے،

ملفوظات حضرت مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ | از جناب مولانا محمد منظور صاحب نعمانی تقطیع اوسط ضخامت ۱۶۸ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر،

قیمت: عہ، پتہ: کتب خانہ الفرقان گوین روڈ، لکھنؤ،

مولانا الیاس رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کا ہر لمحہ تبلیغ دین کے لیے وقف تھا، انکے تمام افکار و تصورات اور اعمال و اقوال کا مرکز تبلیغ تھا، ان کی کوئی مجلس اور کوئی گفتگو اس مقصد سے خالی نہ ہوتی تھی، اور انکی زبان فیض ترجمان سے ہر وقت مسلمانون مین دینی روح کی تجدید، اور اس کے احکام کی تبلیغ اس کے علمی و عملی طریقون اور اس کے جملہ متعلقات کا چشمۂ فیض جاری رہتا تھا، مولانا منظور صاحب نعمانی مولانا مرحوم کی زندگی ہی مین ان کی دینی دعوت کے سرگرم مبلغ تھے، اور اس سلسلہ مین ان کو وقتاً فوقتاً مولانا کی خدمت مین حاضری اور قیام کا اتفاق ہوتا تھا، اور وہ مسلمانون کی دینی تجدید اور دعوت و تبلیغ کے متعلق مولانا کے ملفوظات قلم بند کرتے جاتے تھے، اب ان کو انھون نے افادۂ عام کی غرض سے شائع کر دیا ہے، ان ملفوظات مین اسلامی تعلیمات، اور اسلامی زندگی کے حصول کی پوری روح آگئی ہے، اور وہ اپنے گوناگون مذہبی و روحانی فوائد کے اعتبار سے مسلمانون کے ہر طبقہ کے مطالعہ کے لائق ہین،

تردید حاضر وناظر از مولانا عبدالرؤف خان صاحب رحمانی تقطیع بڑی ضخامت ۱۱۲ صفحے کاغذ

کتابت وطباعت معمولی، قیمت ۱۲ پتہ: مدرسہ جھنڈے نگر، ڈاکخانہ رامت گنج، ضلع بستی،

بریلوی جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو علی الاطلاق حاضر وناظر اور عالم الغیب مانتی ہے، مولوی عتیق الرحمن صاحب بریلوی نے اسکے اثبات میں کوئی رسالہ خیر الانبیاء لکھا تھا، مذکورۂ بالا کتاب اس کی تردید میں لکھی گئی ہے، اس میں خیر الانبیاء کے تمام دلائل کا رد کیا گیا ہے، یہ جھگڑا بہت پرانا ہے، اس پر دونوں جانب سے ہزاروں صفحات لکھے جا چکے ہیں، اور اب اسکا کوئی پہلو تشنہ باقی نہیں ہے، اور اس پر کوئی نیا اضافہ نہیں کیا جا سکتا، اس لیے ان مسائل پر لکھنا محض اضاعتِ وقت ہے، اسکے علاوہ اب زمانہ کا مذاق بدل چکا ہے، نئے نئے سیاسی و معاشی کلامی مسائل درپیش ہیں، ہر طرف الحاد و دہریت کا طوفان بپا ہے، کفر و اسلام کا معرکہ چھڑا ہوا ہے، نام کے مسلمانوں کا ایک طبقہ سرے سے اسلام ہی سے منحرف ہو رہا ہے۔ ایسی حالت میں اسکو چھوڑ کر پرانے و قیانوسی مسائل میں اپنی قوت اور وقت ضائع کرنا اسلام کی کوئی مفید خدمت نہیں ہے، افسوس ہے کہ ہمارے علماء کا ایک طبقہ خواہ بریلوی ہوں یا اہل حدیث وقت کے ضروری اور اہم مسائل کو چھوڑ کر انہی غیر ضروری مسائل میں الجھا ہوا ہے جنکی جانب اس زمانہ میں کسی کو توجہ کرنے کی بھی فرصت نہیں ہے، اس وقت ضرورت اسکی ہے کہ انکو چھوڑ کر سارا زور کفر و الحاد کے مقابلہ میں اسلام کی نصرت و حمایت میں صرف کیا جائے، تاہم مصنف کی نیت نیک اور انکا مقصد صحیح ہے، اسلیے انکا دینی جذبہ قابل قدر ہے، اور اس کا اجر انشاء اللہ ان کو ملے گا،

آسان قرآنی کورس کے بیس سبق | از جناب مولوی عبد السبحان صاحب اعظمی ربانی منشی فاضل تقطیع بڑی ضخامت ۴۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت ۹ ؍ پتہ: بزم قرآن مسجد سعیدیہ کوچہ معروف، سپاری کنڈ، ہونٹ روڈ، مدراس۔

خاص قرآن مجید کی تعلیم اور اس کا ترجمہ سمجھنے کیلیے اردو میں عربی قواعد کے متعدد قرآنی نصاب مرتب کیے گئے ہیں، ان میں سب سے زیادہ مشہور و مفید ادارہ تعلیمات اسلامی لکھنؤ کا نصاب ہے، مصنف نے بھی اسی مقصد کے لیے یہ نیا رسالہ لکھا ہے، اس میں ادارہ تعلیمات اسلامی کی کتابوں سے بھی انھوں نے فائدہ اٹھایا ہے اور اپنے تجربہ سے نئے اضافے بھی کیے ہیں، اس رسالہ میں بیس سبق ہیں، اور قرآن مجید کے ترجمہ کی مشق کے لیے مفید ہیں "م"

اقبال کامل

(مرتبہ مولانا عبدالسلام ندوی)

ڈاکٹر اقبال کے فلسفہ و شاعری پر اگرچہ بکثرت مضامین رسالے اور کتابیں لکھی گئیں لیکن اُن سے اُن کی بلند پایہ شخصیت واضح اور مکمل طور پر نمایاں نہ ہو سکی، یہ کتاب اس کمی کو پورا کرنے کے لئے لکھی گئی ہے، اس میں اُن کے مفصل سوانح حیات کے علاوہ اُن کے فلسفیانہ و شاعرانہ کارناموں کے اہم پہلوؤں کی تفصیل لکھی گئی ہے، اور سوانح حیات کے بعد پہلے اُن کی اردو شاعری پھر فارسی پر اُن کے بہترین اشعار کے انتخاب کے ساتھ مفصل تبصرہ کیا گیا ہے، اور ان کے کلام کی تمام ادبی خوبیاں دکھلائی گئی ہیں، پھر اُن کی شاعری کے تمام موضوعوں یعنی فلسفۂ خودی، فلسفۂ بیخودی، نظریۂ ملت، تعلیم، سیاست، صنف لطیف (یعنی عورت) فنونِ لطیفہ اور نظامِ اخلاق وغیرہ کی تشریح کی گئی ہے،

ضخامت :- ۵۰۰ صفحے،

قیمت :- ۵ روپے

"نیجر"

بزمِ تیموریہ

(مرتبہ سید صباح الدین عبدالرحمن ایم، اے)

بابر ایک بے مثل اہل قلم تھا، ہمایوں نے شعر و شاعری کے علاوہ ہیئت و نجوم کی بھی انجمن آرائی کی، اکبر کا عہد علوم و فنون کی روشنی سے جگمگا اٹھا، جہانگیر نے ادب و انشاء کو چمکایا، شاہجہان نے شعراء اور فضلاء کو سیم و زر میں تلوایا، عالمگیر نے معارف پروری اور انشاء پردازی کے اعلیٰ نمونے پیش کئے، تیموریہ دولت کے آخری بادشاہوں نے بھی اپنے اسلاف کی روایات کو قائم رکھنے کی کوشش کی، بہادر شاہ ظفر نے عروس سخن کے گیسو سنوارے، تیموری شہزادوں اور شہزادیوں نے بھی علم و ادب کی محفلیں سجائیں، دربار کے امراء، شعراء اور فضلاء نے شاہانہ سرپرستی میں گوناگوں کمالات دکھائے، ان سب کی تفصیل اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیے،

ضخامت :- ۵۸۰ صفحے،

قیمت :- ۶ روپے

"نیجر"

۱۹۴۹ء کی نئی کتاب

بزمِ صوفیہ

جس میں عہدِ تیموریہ سے پہلے کے صوفیۂ کرام حضرت شیخ ابو الحسن علی ہجویریؒ، حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ، حضرت خواجہ بختیار کاکیؒ، حضرت قاضی حمید الدین ناگوریؒ، حضرت بہاء الدین زکریا ملتانیؒ، حضرت شیخ صدر الدینؒ، حضرت بابا گنج شکرؒ، حضرت شیخ فخر الدین عراقیؒ، حضرت شیخ امیر حسینیؒ، حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ، حضرت بو علی قلندر پانی پتیؒ، حضرت شیخ رکن الدینؒ، حضرت برہان الدین غریبؒ، حضرت ضیاء الدین نخشبیؒ، حضرت شرف الدین احمد منیریؒ، حضرت جہانیان جہان گشتؒ، حضرت اشرف جہانگیر سمنانیؒ اور حضرت خواجہ گیسو دراز کے مستند حالات اور تعلیمات ایک بالکل نئے انداز میں پیش کی گئی ہیں، ہندوستان کے سلاطین کے عہد میں جب سلاطین ایک جگہ سے دوسری جگہ فوج کشی میں مشغول تھے، تو خانقاہ کے یہ بوریا نشین دلوں کے قلوب کی تسخیر کر رہے تھے، رفتہ رفتہ دو متوازی حکومتیں قائم ہو گئیں، ایک تو اُن کی جو تخت و تاج کے مالک تھے، اور ایک ان کی جو روحانی تاجدار تھے، ایک کے یہاں جاہ و حشمت تھی، اور دوسرے کے گھر میں فقر و فاقہ تھا لیکن انہی فقر و فاقہ والوں کے ذریعہ ہندوستان میں اسلام کی سچی عظمت و شوکت قائم ہوئی، ان بزرگانِ دین نے اپنے عہد کے مذہب، تصوف، اخلاق، معاشرت اور سیاست کو کس طرح سنوارا اس کی تفصیل اس کتاب میں ملاحظہ فرمائیں،

قیمت :- ے

مرتبہ سید صباح الدین عبد الرحمن ایم اے،

(طابع و ناشر صدیق (احمد)) "**منیجر**"